ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

جولائی ۲۰۱۹ء

مسلسل اشاعت کا ۶۷واں سال

سن آغاز ۱۹۵۳ء

ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

جولائی ۲۰۱۹ء

ذیقعدہ ۱۴۴۰ ہجری

شمارہ نمبر ۷ - جلد ۶۷

صدرِ مجلس

سعدیہ راشد

مدیرِ اعلا

محمد سلیم مغل

معاون مدیر

سلیم فرّخی

کمپوزنگ

محمد اکرم خان

۱۶ویں منزل، بحریہ ٹاؤن ٹاور، طارق روڈ،
پی ای سی ایچ ایس بلاک ۲، کراچی۔

فون: 021-38244000, 38241611 Ext. 1611

ای میل: hfp@hamdardfoundation.org

ویب سائٹ: www.hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ادارۂ سعید: www.hakimsaid.info

فیس بک پیج: /hamdardfoundationpakistan

پبلشر سعدیہ راشد نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد، ناظم آباد کراچی سے شائع کیا۔

نونہالانِ پاکستان کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے زیرِ اہتمام شائع کیا گیا۔

بہ یاد

شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید
بانی سرپرست

مسعود احمد برکاتی مرحوم
مدیرِ اوّل

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ پر مبنی صفحات کا احترام ہم سب پر فرض ہے۔

قیمت خاص نمبر ۸۰ رُپے	قیمت عام شمارہ ۵۰ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۸۰۰ رُپے	سالانہ (عام ڈاک سے) ۶۰۰ رُپے
سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر) ۵۰۰ رُپے	سالانہ (غیر ممالک سے) ۷۰ امریکی ڈالر

ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آئندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی۔ VPP بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

اس شمارے میں

کیا اور کہاں؟

جولائی ۲۰۱۹ء

۶	جاگو جگاؤ	شہید حکیم محمد سعید
۷	پہلی بات	سلیم مغل
۹	حمد	شریف شیوہ
۱۰	روشن خیالات	ننھے گل چیں
۱۳	عظیم قائد	....
۱۴	کیوں کہتے ہیں؟	چودھری اسد اللہ خاں
۱۶	بون - جاپانیوں کی شب برات	اقبال برما
۱۹	بلاعنوان انعامی کہانی	صوفی تبسم
۲۳	ڈاکو پکڑے گئے	محمد ریاست
۲۸	بلی کا بچہ (نظم)	ساقی فاروقی
۲۹	علم دریچے	نکتہ داں نونہال
۳۳	شین شرارت	طنز و مزاح
۴۱	جھوٹا گواہ (نظم)	حفیظ جالندھری
۴۶	گرمی کی چھٹیوں میں (نظم)	قدسیہ جبیں
۴۹	عجیب و غریب کیڑے	ظفر شمیم

بون 16

ڈاکو پکڑے گئے 23

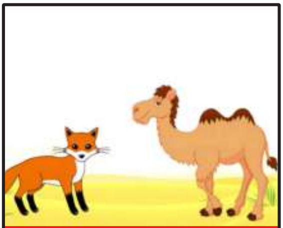

جھوٹا گواہ (منظوم کہانی) 41

۵۱	نام بوجھیے؟	سلیم فرخی
۵۹	ہمدرد نونہال (نظم)	شرافت ضیا
۶۰	لنچ بکس	ادارہ
۶۱	ازبکستان	محمد فرحان اشرف
۶۶	نونہال خبرنامہ	خرم فرخی
۶۸	نونہال مشاعرہ	خوش ذوق نونہال
۶۹	نقلی مچھیرے	جاوید اقبال
۷۳	کچھوا	نسرین شاہین
۷۶	نونہال مصوّر	ننھے فن کار
۷۸	نیا عزم	ثمرین ملک
۷۹	سفرنامہ امریکا (شکاگو)	سلیم مغل
۸۵	گیدڑ بھبکی (قسط اوّل)	سیما صدیقی
۹۲	آدھی ملاقات	نونہال پڑھنے والے
۹۶	بلی کا بچہ	ساقی فاروقی
۹۷	کارگر تدبیر	رمشا جاوید
۱۰۳	نونہال ادیب	نو آموز قلم کار
۱۱۳	معلومات افزا ۲۸۳	سلیم فرخی
۱۱۶	جوابات معلومات افزا ۲۸۱	ادارہ
۱۱۸	انعامات، بلا عنوان کہانی	ادارہ
۱۲۰	نونہال لغت	ادارہ

ازبکستان 61

نقلی مچھیرے 69

گیدڑ بھبکی 85

کارگر تدبیر 97

Today, Not Tommorrow

Many things we need can
wait, the child cannot.
Now is the time
his bones are formed,
his mind developed.
To him we can not say
tommorrow,
his name is today.

Gabriel Mistral
Nobel Laureate
Poet of Children

کیسے کہہ دوں کل؟

مرا ہر کام ٹل سکتا ہے
''کل'' کی بے یقیں دوری کی منزل تک
وہ کتنا بھی ضروری ہو
اسے میں چھوڑ سکتا ہوں
مگر اس ناتواں معصوم ''بچے'' کو
میں یہ کیسے کہوں کہ ''آج'' مشکل ہے
اسے تو ''آج'' سے نسبت ہے سو اس کو
ابھی اس لمحۂ موجود میں میری ضرورت ہے
ابھی ننھی سی کونپل جان کو، کھلنا کھِلانا ہے
ابھی اس کی رگوں میں خون بننا ہے
کھڑا ہونا ہے جن پہ جسم کی ساری عمارت کو
ابھی ان ہڈیوں کو ٹھیک سے تشکیل پانا ہے
کلی کو شاخ پر آ کر مہکنا، لہلہانا ہے
دماغ و دل کی دنیا کو ابھی ترتیب پانا ہے
ابھی اس کو توجہ اور محبت کی ضرورت ہے
سو میں اک کام کرتا ہوں
میں اپنا ''آج'' اس بچے کی خاطر
بس اسی کے نام کرتا ہوں

سلیم مغل

جاگو جگاؤ

نونہال دوست، شہید حکیم محمد سعید کی یاد رکھی جانے والی باتیں

انسان غلطی کا پُتلا ہے، اس لیے اچھے سے اچھے انسان سے بھی کسی نہ کسی وقت، کسی نہ کسی کام میں غلطی ہو جاتی ہے، لیکن صحیح معنی میں اچھا انسان وہ ہے جو اپنی غلطی مان لے۔ بعض لوگوں کی، بلکہ زیادہ تر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنی غلطی نہیں مانتے اور اپنی غلطی کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ''حالات ایسے تھے کہ میں مجبور تھا۔'' یہ اچھی عادت نہیں۔ حالات کچھ بھی ہوں، کتنی ہی مجبوری کے تحت غلطی کی گئی ہو، غلطی جب ہو گئی تو اسے ماننا چاہیے۔ غلطی ماننے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو احساس ہو جائے اور اس سے آیندہ غلطی نہ ہو۔ جو شخص غلطی کرتا ہے، مگر اس کو تسلیم نہیں کرتا، وہ ایک کم زور انسان ہے۔

غلطی کو تسلیم کرنا بہادری ہے اور ایک بہت بڑی اخلاقی خوبی ہے۔ کوئی دوسرا شخص اگر غلطی کرے اور اس سے تمھیں تکلیف پہنچے تو اس کو معاف کر دو۔ اس کو عفو کہتے ہیں۔ درگزر کرنے والا انسان بڑی عزت کا مستحق ہوتا ہے اور لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور اسے پسند کرتے ہیں، لیکن اپنی غلطیوں پر اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کرو۔ اگر کوئی شخص بتائے کہ تم نے یہ غلطی کی ہے تو اس پر غور کرو اور اس شخص کا کہنا صحیح ہو تو فوراً مان لو۔ زبان سے بھی اور دل سے بھی اور کوشش کرو کہ دوبارہ غلطی نہ ہو۔

غلطی کو ماننے میں شرم ضرور آتی ہے، لیکن غلطی نہ ماننے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور انسان کے اخلاق میں جو کم زوریاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ اتنا بڑا نقصان ہے کہ اس سے بچنے کے لیے تھوڑی سی شرم برداشت کر لینی چاہیے۔

(ہمدرد نونہال ستمبر ۱۹۹۲ء سے لیا گیا)

پہلی بات

سلیم مغل

سوشل میڈیا پہ یہ پوسٹ آپ کی نظر سے بھی گزری ہوگی، ہمدرد فاؤنڈیشن کی ایک میٹنگ جاری تھی، جس میں فاؤنڈیشن کے اہم ذمہ داران موجود تھے، شہید حکیم محمد سعید میٹنگ کی سرپرستی فرما رہے تھے۔ بہت سے امور نمٹانے کے بعد حکیم صاحب میٹنگ میں موجود اکاؤنٹس افسر کی طرف متوجہ ہوئے، جو اپنے ہاتھوں میں ایک موٹی سی فائل لیے ہوئے حکیم صاحب کی توجہ کے منتظر تھے۔

حکیم صاحب نے اس فائل کے متعلق دریافت کیا تو افسر نے بتایا: ''سر! یہ بچوں کے رسالے ہمدرد نونہال کے اخراجات کی فائل ہے، آپ کو بتانا یہ تھا کہ اس رسالے کا خسارہ بڑھتے بڑھتے اب لاکھوں سے تجاوز کر چکا ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ اس رسالے کو بند کر دیا جائے۔'' حکیم صاحب اکاؤنٹس افسر کو دیکھ کر مسکرائے اور کہا:

''آئندہ ایسی تجویز نہ دیجیے گا۔ آپ کو اندازہ ہی نہیں کہ اپنے بچوں کے لیے خسارہ اُٹھانا ہی تو سب سے بڑا نفع ہے۔''

حکیم صاحب کی زندگی کا یہ خوب صورت واقعہ مجھے اس وقت شدّت سے یاد آیا، جب جاپان سے متعلق یہ پوسٹ نظر سے گزری'' جاپان کے محکمۂ ریلوے کو جاپان کے کسی علاقے سے ایک رپورٹ موصول ہوئی جس میں بتایا گیا تھا کہ فلاں علاقے میں ٹرین جس آخری اسٹیشن تک جاتی ہے، وہاں سے صرف ایک مسافر سوار ہوتا ہے۔ ریلوے کو بلاوجہ ایک مسافر کی خاطر بڑا خسارہ اُٹھانا پڑتا ہے۔ بہتر ہے کہ ٹرین بند کر دی جائے۔''

جاپان ریلوے نے تحقیق کی تو پتا چلا کہ آخری اسٹیشن سے صرف ایک بچی ٹرین پر سوار ہوتی ہے، جو کسی دوسری جگہ واقع اپنے اسکول تک جاتی اور آتی ہے۔ محکمۂ ریلوے نے اپنی حتمی رائے اس فیصلے کی شکل میں دی:

''جب تک بچی اسکول جاتی رہے گی، ٹرین بند نہیں ہوگی۔''

کہنے کو یہ دو واقعات ہیں، مگر سچ پوچھیے تو قوموں کے عروج و زوال کو سمجھنے کے دو خوب صورت حوالے بھی......

آپ سے وعدہ ہے...... آپ پڑھتے رہیے...... ٹرین چلتی رہے گی۔

پانی نعمت ہے
نعمت کی قدر کیجیے

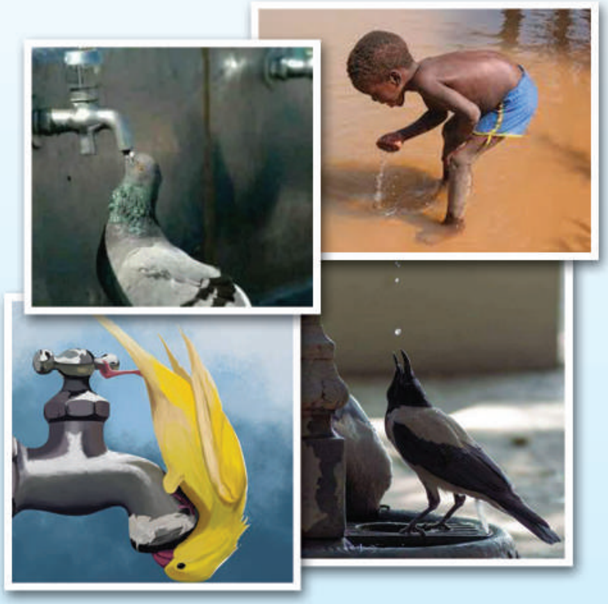

پانی زندگی ہے ... زندگی کو اہم جانیے

پانی ضائع نہ کیجیے

پانی کے حصول ، حفاظت اور ذخائر کو اپنی قومی سوچ کا حصہ بنائیے

حمدِ باری تعالیٰ

شریف شیوہ

یہ بادل ، یہ بجلی یہ موسم سہانے
سبھی کو بنایا ہمارے خدا نے

پہاڑوں سے نیچے یہ پانی کا گرنا
تبسم لٹاتا ہوا آبی جھرنا
چہکتے پرَندوں کے یہ آشیانے
سبھی کو بنایا ہمارے خدا نے

یہ سونے سے لبریز صحرا کے آنگن
یہ شاخوں کی بانہوں میں پھولوں کے کنگن
یہ کوئل کے ہونٹوں پہ میٹھے ترانے
سبھی کو بنایا ہمارے خدا نے

ندی میں رواں ٹھنڈا یہ پانی
یہ سبزے کی کھیتوں کے اوپر جوانی
اسی بات کے سب لبوں پر فسانے
سبھی کو بنایا ہمارے خدا نے

روشن خیال

تجربے اور دانائی کا حاصل، علم و حکمت کی باتیں

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جوانی میں توبہ کرنے والا شخص اللہ کا محبوب ہے۔

محمد معیز انصاری، کراچی

حضرت علیؓ

تمام خوبیوں کا مجموعہ علم سیکھنا، اس پر عمل کرنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا ہے۔

روبینہ ناز، رتن تلاؤ

امام ابوداؤدؒ

دوسروں کے بارے میں اچھا گمان رکھنا، بہترین عبادت ہے۔ **سیّدہ ماہم، شاہ فیصل کالونی**

شیخ سعدیؒ

کم زوروں پر رحم نہ کرنے والا، طاقت وروں سے مار کھاتا ہے۔

عاصمہ ذوالفقار، کراچی

قائداعظم

اگر کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو۔

اریبہ انصاری، کراچی

شہید حکیم محمد سعید

سب سے بڑی فیاضی معاف کر دینا ہے۔

مہک اکرم، لیاقت آباد

ٹیگور

فکر کرنے ہی سے فکر دور ہوتی ہے۔

سیّدہ اریبہ بتول، لیاری ٹاؤن

جبران خلیل جبران

جو شخص ہر چیز کو بے یقینی سے دیکھتا ہے، وہ موقع ملنے پر ہیرے کو بھی پتھر سمجھ کر پھینک دیتا ہے۔

زبیر سلطان محمود، کراچی

شیکسپیئر

چاہے آپ برف کی مانند صاف شفاف ہوں، پھر بھی تہمت سے نہیں بچ سکتے۔ **کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری**

ہنری فورڈ

بوڑھا شخص وہ ہے جو علم حاصل کرنا چھوڑ دے، خواہ اس کی عمر بیس سال ہو یا اَسی سال۔

نام نہیں لکھا، اورنگی ٹاؤن

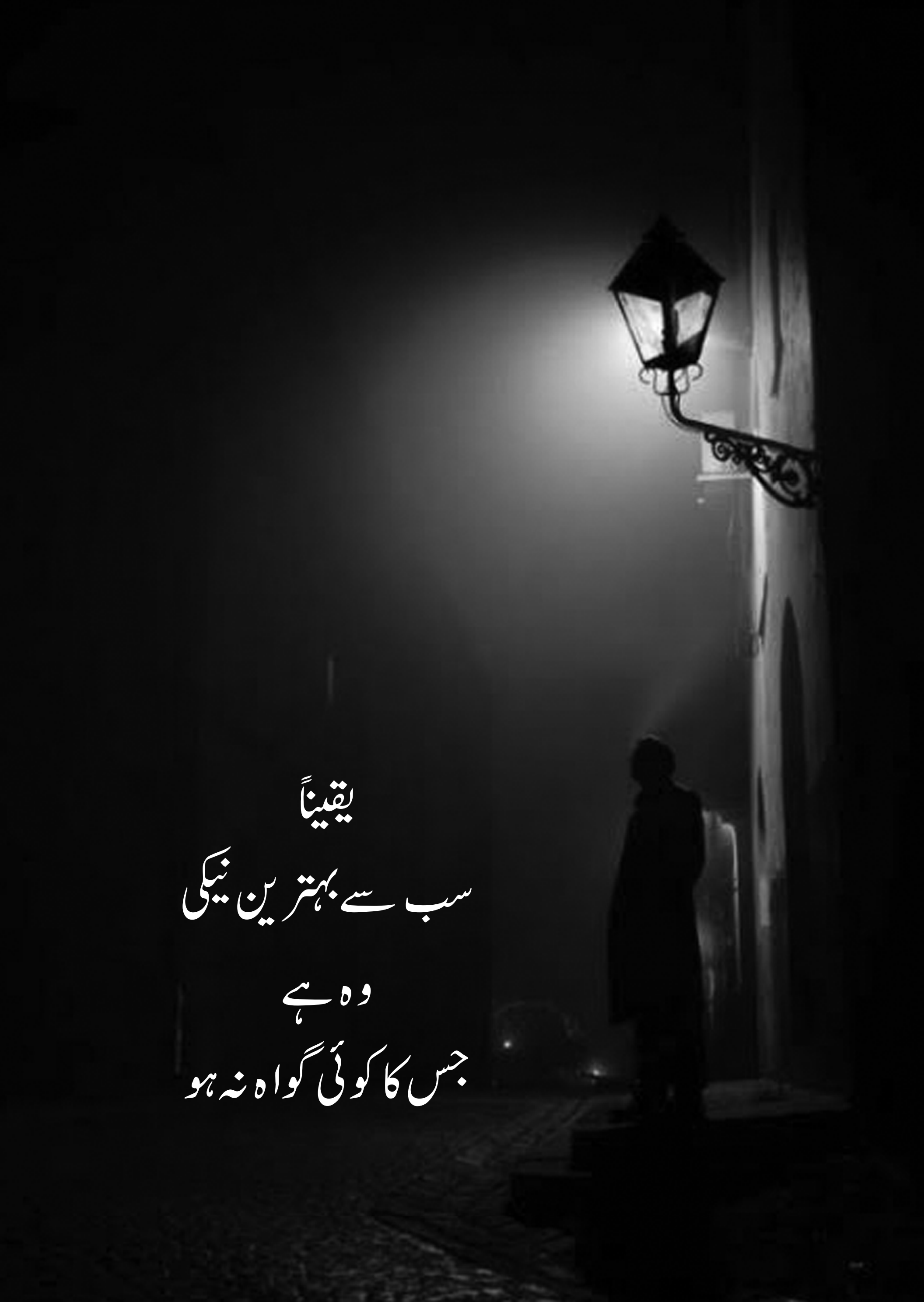
یقیناً
سب سے بہترین نیکی
وہ ہے
جس کا کوئی گواہ نہ ہو

Press Ad

عظیم قائد

پاکستان کو اپنے جوانوں، بالخصوص طلبا پر فخر ہے جو آزمائش اور ضرورت کے وقت ہمیشہ صفِ اوّل میں رہے۔ آپ مستقبل کے معمار ہیں، اس لیے جو مشکل کام آپ کے سر پر کھڑا ہے، اس سے نمٹنے کے لیے اپنی شخصیت میں نظم وضبط پیدا کیجیے۔ مناسب تعلیم اور مناسب تربیت حاصل کیجیے۔ آپ کو پورا پورا احساس ہونا چاہیے کہ آپ کی ذمے داریاں کتنی زیادہ اور کتنی شدید ہیں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہر وقت تیار اور مستعد رہنا چاہیے۔

طلباء کے وفد سے گفتگو ۳۱، اکتوبر ۱۹۴۷ء

کیوں کہتے ہیں؟

چودھری اسد اللہ خاں

شُتر مُرغ: زمین پر بسنے والے پرندوں میں شُتر مُرغ سب سے بڑا پرندہ ہے۔ یہ قدرت کا شاہ کار ہے۔اس کی گردن اور ٹانگیں اونٹ کی طرح لمبی ہیں جب کہ اس کے پَر عام پرندوں کی طرح ہیں۔فارسی زبان میں ''شُتر'' اونٹ کو کہتے ہیں اور ''مُرغ'' ایک پرندہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسے سب پرندوں سے منفرد بنایا ہے۔یعنی اونٹ جیسا پرندہ۔ اس لیے اسے شُتر مُرغ کہتے ہیں۔

خرگوش: خرگوش بلی کی جسامت کا ایک چھوٹا سا پیارا اور معصوم سا جانور ہے۔ یہ دنیا بھر کے تمام ملکوں میں پایا جاتا ہے۔''خرگوش'' فارسی زبان کا لفظ ہے جو دو حروف کا مجموعہ ہے(خر، یعنی گدھا،گوش،یعنی کان)یعنی گدھے جیسے کانوں والا۔خرگوش کے کان گدھے کے کانوں کی طرح سیدھے اوپر کی طرف کھڑے رہتے ہیں۔اسی لیے اسے خرگوش کہتے ہیں۔

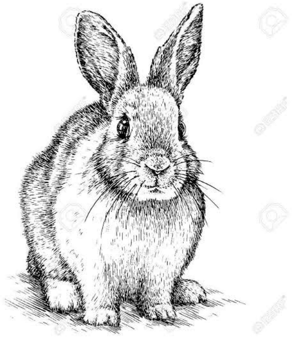

مارخور: مارخور ایک پہاڑی بکرا ہے۔ یہ پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں پایا جاتا ہے۔ اس کے بڑے بڑے مضبوط سینگ اور جسم پر گھنے بال ہوتے ہیں جو سردی سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ ہمارا قومی جانور بھی ہے۔ ''مارخور'' بھی فارسی زبان کا لفظ ہے۔ یہ دو حروف کا مجموعہ ہے، مار، یعنی سانپ اور خور، یعنی کھانا)۔ یہ جانور چوں کہ سانپ کھاتا ہے۔اسی لیے اسے مارخور کہتے ہیں۔

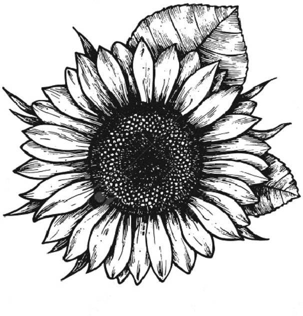

سورج مُکھی: سورج مکھی ایک پھول ہے۔ یہ دولفظوں، سورج اور مُکھی کا مجموعہ ہے۔ مُکھ کا مطلب ہے، منھ یا چہرہ۔ چوں کہ اس پھول کا منھ یا رُخ سورج کے ساتھ ساتھ اور اُسی کے رُخ پر بدلتا رہتا ہے، اسی لیے اسے سورج مُکھی کہتے ہیں۔

بون جاپانیوں کی شبِ برأت

اقبال برما

جاپان کے دارالحکومت ٹوکیو کے معروف علاقے ''اوہانا جایا'' اور ''ہوری کیری'' سے ملے ہوئے قبرستان میں اس روز لوگوں کی آمد و رفت معمول سے زیادہ تھی۔ خواتین اور بچوں سمیت ہر عمر کے جاپانیوں کا رخ آج اس قبرستان کی جانب تھا۔ ان کے ہاتھوں میں گل دستے دیکھ کر اس بات کا اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ آج جاپان میں کوئی خاص دن منایا جا رہا ہے۔ کوئی ایسا دن جس کا تعلق مادی دنیا سے زیادہ ان پیاروں سے ہے، جو اب ان کے درمیان نہیں رہے۔ یہ دن

’’بون‘‘ تقریبات کا دن تھا۔

جاپانیوں کا عقیدہ ہے کہ سال میں ایک مرتبہ ان کے وہ پیارے جو اس دنیا کی زندگی گزار کر دوسری دنیا میں جا بسے ہیں، تین روز کے لیے ان کے درمیان آتے ہیں، لہٰذا اپنے ان پیاروں کے استقبال اور ان کی روح کو سکون پہنچانے کے لیے جاپانی خصوصی انتظامات کرتے ہیں۔ ان تقریبات کا سلسلہ ۱۳ تا ۱۵ اگست یعنی تین روز تک جاری رہتا ہے۔ بون کے تینوں دن جاپان میں جس اہتمام سے منائے جاتے ہیں، اس کی مثال ایک پاکستانی کے لیے شبِ برأت کے ذریعے سمجھائی جا سکتی ہے جس کی مذہبی روح سے قطع نظر تہوار منانے کے انداز میں جاپانی بون سے گہری مماثلت نظر آتی ہے۔

اس دن جاپانی اپنے گھروں میں صفائی کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ پورے گھر کی آرائش اور جھاڑ پونچھ ہوتی ہے۔ خاندان کے افراد اپنے مرحوم عزیز و اقارب کی قبروں پر حاضری دیتے ہیں اور پانی کا چھڑکاؤ کرتے ہیں۔ اس روز قبروں پر پھول چڑھانے کی رسم بھی ادا کی جاتی ہے۔ قبرستان سے واپسی پر جاپانی کہیں اور جانے کے بجائے جلد از جلد سیدھے گھروں کو پہنچنے کو ترجیح دیتے ہیں، کیوں کہ ان کے عقائد کے مطابق اب ان کے مرحوم بزرگوں اور عزیز و اقارب کی روحیں گھر پہنچ کر ان کا انتظار کر رہی ہوں گی۔ گھر پہنچنے پر ایک خصوصی میز جسے ’’بت سودان‘‘ کہتے ہیں اس روز کے خصوصی کھانوں سے چن دی جاتی ہے جو مہمان روحوں کے استقبال اور مدارات کا علامتی اظہار ہوتا ہے۔

بڑے پیمانے پر منائی جانے والی ان تقریبات کے دوران لوگ جوق در جوق اپنے آبائی قصبوں کا رخ کرتے ہیں، جس کی وجہ سے دارالحکومت ٹوکیو اور دیگر بڑے شہر ویرانے کا منظر پیش کرتے ہیں۔ بون فیسٹیول کا سب سے اہم حصہ ایک خاص ثقافتی رقص ہوتا ہے جس کا اہتمام ایک خاص

ماحول بنا کر کیا جاتا ہے۔عموماً رات کے ابتدائی پہر یا شام کے دھندلکے میں ایک کھلی جگہ پر لکڑی کا ایک اسٹیج سا بنایا جاتا ہے جس کے گرد روایتی ڈرم، بانسری اور دیگر آلات موسیقی کی گونج میں اس رقص کا اہتمام ہوتا ہے۔اس موسیقی کو جاپانی زبان میں ''ہایاشی'' (HAYASHI) کہتے ہیں۔مرد، خواتین اور بچے رقص میں ایک مخصوص لباس ''یوکاتا'' پہنتے ہیں، ''یوکاتا، ان کے روایتی جاپانی لباس کیمونو ہی کی شکل کا لباس ہوتا ہے جسے کاٹن سے تیار کیا جاتا ہے۔اس خصوصی تہوار کی مناسبت سے لوگ مختلف رنگوں کے ''یوکاتا'' پہنتے ہیں۔مرد اور لڑکے نیلے اور سفید جب کہ خواتین اور بچیاں مختلف النوع دل کش پھول دار اور کھلتے ہوئے رنگوں کے ''یوکاتا'' پہنتی ہیں۔اس تقریب میں میلے کا سماں ہوتا ہے، روایتی لوک گیت گائے جاتے ہیں۔رنگ برنگ کھلونوں، خوب صورت ماسک، مٹھائیوں، اسنیکس اور روایتی جاپانی مشروب ''رامونے'' (RAMUNE) پیا پلایا جاتا ہے۔

بون فیسٹیول کا تیسرا اور آخری دن الوداعی تقاریب کا ہوتا ہے۔ان تقاریب کو ''شوروناگاشی'' کہا جاتا ہے، جب روحوں کو واپسی کا راستہ دکھایا جاتا ہے۔ان لوداعی تقاریب میں جاپانی لوگ اپنے گھروں کے سامنے آگ روشن کرتے، خوب صورت قمقمے، قندیلیں اور رنگ برنگی روشنیاں جگمگاتے ہیں اور خصوصاً دریا کے پانی پر روشنیاں بکھیرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ان کے خیال میں یہ ان روشنیوں سے روحوں کو واپسی کا راستہ سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور وہ دریا میں بہنے والے دھاروں کے ساتھ واپس اپنے مقام پر پہنچ جاتی ہیں اور اگلے سال واپس آنے کا انتظار کرتی ہیں۔بون فیسٹیول کے دوران جاپان اپنے اصل روایتی رنگ میں نظر آتا ہے جسے جاپان کی جدید، مشینی زندگی میں ڈھونڈنا انتہائی مشکل ہے۔

بلاعنوان انعامی کہانی

صوفی تبسم

پرانے زمانے کی بات ہے۔ ایران کی سرزمین میں ایک شہر آباد تھا۔ جس کا نام راوند تھا۔ اس شہر میں ایک سوداگر مہریار نامی رہتا تھا۔ شہر کے لوگ مہریار کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وہ معاملے کا بہت کھرا آدمی تھا۔ سچ بولتا تھا اور ہر ایک سے نرمی، پیار اور محبت سے پیش آتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عیدِ قرباں نزدیک آ رہی تھی اور شہر میں بہت سے لوگ حج کے لیے کعبہ شریف جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

مہریار کے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی دولت دی ہے، میرا بھی فرض ہے کہ اس دولت میں سے کچھ روپیہ نکال کر اس نیک کام پر خرچ کروں۔ یہ سوچنے کے بعد وہ گھر آیا اور سفر پر روانگی کی تیاری کرنے لگا۔

اس زمانے میں نہ تو ہوائی جہاز تھے، نہ ریل گاڑی۔ نہ موٹر کار کہ سفر جلدی سے طے ہو جاتا۔ لوگ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہوتے اور قافلے بنا کر چلتے تھے۔

راوند کے شہر میں بھی حاجیوں کا ایک قافلہ حج کے لیے تیار ہوا اور مہریار بھی اسی قافلے کے ساتھ مکہ جانے کے لیے روانہ ہوا اور سفر کے دوران اخراجات کے لیے ایک ہزار اشرفیاں کمر بند میں ڈال کر اپنی کمر سے باندھ لیں۔ حاجیوں کا یہ قافلہ آہستہ آہستہ چلتا گیا۔ یہ قافلہ راستے میں تھوڑی دیر کے لیے کہیں رُکتا اور پھر آگے روانہ ہو جاتا۔

چلتے چلتے ایک دن قافلہ کُوفے جا پہنچا۔ جو اس دور کا مشہور شہر تھا، یہاں قافلے والوں نے دو تین دن ٹھہرنے کا فیصلہ کیا، تاکہ آرام کرلیں اور گھوم پھر کر شہر کی سیر بھی کرلیں۔ ایک دن تو لوگوں نے آرام کیا۔ دوسرے دن اِدھر اُدھر گھومنے کے لیے نکلے۔ مہریار بھی سیر کے لیے چل پڑا۔ پہلے تو اس نے شہر اور اس کے بازاروں کی رونق دیکھی۔ چوں کہ خود سوداگر تھا، لوگوں کو کاروبار میں لین دین کرتے دیکھا اور پھر سوچا کہ ذرا شہر کی فصیل سے باہر نکل کر میدانوں کی بھی سیر کرنی چاہیے۔

مہریار جب شہر سے باہر نکلا تو کچھ فاصلے پر پتھروں اور اینٹوں کے ڈھیر لگے تھے، جیسے کسی اُجڑے ہوئے شہر کے کھنڈر ہوں۔ وہ اُدھر کو چل پڑا۔ قریب آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوڑھی عورت میلے کچیلے اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ایک کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کو کرید کرید کر دیکھ رہی ہے، جیسے کسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں ہو۔

مہریار ایک طرف کھڑا ہو کر یہ تماشا دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد کوڑے میں سے ایک مردہ مرغی نکل آئی۔ بڑھیا نے مرغی کو جھاڑا پونچھا اور صاف کرنے کے بعد ایک چادر میں چھپا کر چل پڑی۔

مہریار بہت حیران ہوا کہ یہ بڑھیا اس مردہ مرغی کا کیا کرے گی۔ اسی خیال سے چپکے سے بڑھیا کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ یہاں تک کہ بڑھیا شہر کے ایک محلے میں پہنچ کر ایک پرانے خستہ حال مکان کے سامنے آ کر رک گئی اور پھر دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ دروازے کا کھلنا تھا کہ

تین چار بچے امی جان! امی جان! ہمارے لیے کیالائی ہو؟ کہتے ہوئے اس سے لپٹ گئے۔
بڑھیا بولی: ''بچو! صبر کرو، تمھارے لیے مرغی لائی ہوں۔ کھاؤ گے تو مزہ آ جائے گا۔'' یہ کہہ کر بوڑھی عورت نے اپنا منھ دوسری طرف کرلیا، تا کہ اس کی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو اس کے بچے نہ دیکھ لیں۔

مہریار نے یہ حالت دیکھی تو اس کا دل ہل گیا۔ اس نے سوچا، ماں کی مامتا بھی کیا چیز ہے! یہ غریب بڑھیا اپنے بھوکے بچوں کے لیے اللہ جانے کیا کیا جتن کرتی ہوگی! یہ سوچ کر مہریار کی آنکھوں کی میں آنسو آ گئے۔ ایک طرف ہو کر اس نے ایک ہمسائے سے پوچھا: ''بھائی صاحب! آپ کے ساتھ والے مکان میں جو بوڑھی عورت رہتی ہے یہ کون ہے؟''

ہمسائے نے بتایا: ''یہ بڑھیا بڑی نیک اور پاک باز عورت ہے۔ بہت غریب ہے بے چاری، لیکن بڑی محنت اور مشقت سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتی ہے۔''

مہریار نے دل میں سوچا، ایسی غریب عورت کی مدد کرنا بڑے ثواب کا کام ہے۔ میں حج تو پھر بھی کرسکتا ہوں، اس وقت تو اس عورت کی مدد کرنا زیادہ ضروری ہے۔ لہٰذا جو رپیہ میرے پاس ہے وہ اس بڑھیا کے کام آ جائے تو بہتر ہے۔ یہ سوچ کر وہ بڑھیا کے پاس آیا اور تمام اشرفیاں نکال کر بڑھیا کے سامنے رکھ دیں اور کہا: ''بڑی بی! تمھاری یہ امانت کافی عرصے سے میرے پاس پڑی ہے، واپس دینے آیا ہوں۔''

بڑھیا اسے دیکھ کر بہت حیران ہوئی اور بولی: ''میری کوئی امانت نہیں، بلکہ میں تو تمھیں جانتی بھی نہیں، میں یہ کیسے لے لوں؟'' دونوں میں بہت دیر تک بحث ہوتی رہی۔ مہریار اصرار کرتا رہا اور بڑھیا متواتر انکار کرتی رہی۔ آخر مہریار نے تنگ آ کر بڑھیا سے کہا: ''بڑی بی! اگر تم یہ ہزار اشرفیاں نہیں لوگی تو میں اس امانت کو اُسی کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر جا کر پھینک دوں گا، جہاں سے تم نے وہ مرغی اُٹھائی تھی، کیوں کہ میں اب یہ امانت اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔''

بڑھیا نے سر جھکا دیا۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھایا اور اشرفیاں اُٹھالیں اور آہستہ سے کہا: ''بیٹا! میں ناچیز اس قابل کہاں ہوں کہ تمھارے اس بڑے احسان کا بدلہ اُتار سکوں۔ اللہ ہی تمھیں اس نیکی کی جزا دے گا۔''

مہر یار سرائے میں واپس گیا، جہاں اس کے دیگر ساتھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ دوسرے دن جب قافلے نے چلنے کی تیاری شروع کی تو مہر یار تنہا شہر کی طرف چلا گیا، تا کہ کوئی کام کاج تلاش کرے اور کچھ کما کر گھر کو لوٹ جائے۔ اسے شہر میں کام کرتے ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا۔ آٹھویں دن صبح سویرے وہ سرائے سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ ایک اونٹنی سوار آ پہنچا۔ مہر یار کو مخاطب کرتے ہوئے بولا: ''کیوں بھئی نوجوان! کوئی کام وغیرہ کرو گے؟''

مہر یار بولا: ''ضرور کروں گا۔''

اونٹنی سوار نے کہا: ''میں حج کے لیے مکہ جا رہا ہوں۔ اکیلا ہوں، چاہتا ہوں میرا کوئی ساتھی ہو اور سفر کے کام میں میرا ہاتھ بٹائے۔ میرے پاس ایک اور اونٹنی بھی ہے، اس پہ تم سوار ہو جاؤ۔''

مہر یار کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو سکتی تھی، وہ فوراً اونٹنی سوار کے ساتھ ہو لیا۔ دونوں نے حج کیا اور حج سے فارغ ہو کر کوفے کو لوٹ آئے۔ اونٹنی سوار نے مہر یار کا شکریہ ادا کیا اور پھر اپنا کمر بند کھول کر دس ہزار اشرفیاں نکالیں اور اس کی جیب میں ڈال دیں۔

مہر یار نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟ میں نے کوئی اتنا بڑا کام تو نہیں کیا کہ آپ مجھے دس ہزار اشرفیاں معاوضہ دے رہے ہیں۔''

اونٹنی سوار نے کہا: ''یہ تمھاری مزدوری نہیں، بلکہ یہ تمھاری امانت ہے، جو میرے پاس پڑی تھی۔''

مہر یار کچھ کہنے ہی کو تھا کہ وہ شخص فوراً اونٹنی پر سوار ہوا اور پھر دم بھر میں نظروں سے غائب ہو گیا۔ یہ مہر یار کی نیکی کا بدلہ تھا۔

ڈاکو پکڑے گئے

محمد ریاست

صبح چھے بجے کا وقت ہے۔ لاہور کے بھاٹی گیٹ میں احمد علی صاحب کے گھر صبح کی سرگرمیوں کا آغاز ہو چکا ہے۔ بڑے اور بچے اپنی اپنی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ احمد علی صاحب رات کو عشاء کے بعد سونے کے عادی ہیں، ان کی یہ اچھی عادت اولاد نے بھی اپنا لی ہے۔ جب جلدی سویا جائے تو صبح جلدی جاگنا بھی ممکن ہو جاتا ہے۔ حنا بی ابھی چھٹی کلاس میں پڑھتی ہیں۔ یہ احمد علی صاحب کی سب سے بڑی بیٹی ہیں۔ حنا سے چھوٹی ماریا ہیں اور ماریا سے چھوٹی اقرا ہیں۔

اقرا کو اسکول جانے کی کوئی جلدی نہیں ہوتی، کیوں کہ وہ محض ابھی ایک سال کی ہے اور سارا دن گھر میں مزے سے کھیلتی رہتی ہے، حنا بی بی تیاری کرتے وقت خوب شور مچاتی ہیں۔

''امی جی! میرا جوتا کہاں ہے؟''

''امی جی! میرے موزے نہیں مل رہے۔''

''امی جی! میری ریاضی کی کاپی کہاں گئی؟''

احمد علی صاحب بھی ایسی ہی آوازیں لگا رہے ہیں۔

''بیگم! ذرا جلدی کریں، مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''بیگم! میرے لیپ ٹاپ کا چارجر کہاں ہے؟''

''بیگم! ذرا چینی دیں، ایک تو آپ آج کل چائے میں چینی بہت کم ڈالتی ہیں۔''

حاجرہ بی بی سب کے کام کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہی ہیں۔ وہ حنا، ماریہ اور اقرا کی امی جی ہیں۔ وہ ابھی احمد صاحب اور حنا کے کام کرنے میں مصروف ہیں، لیکن اب انھیں ایک اور محاذ پر بھی لڑنا ہے اور وہ ہے ماریا، جس نے کل بڑی خوب صورت تصویر بنائی تھی، خوب صورت پہاڑوں کے درمیان ایک بل کھاتی ندی تھی اور اس کے کنارے گاؤں کے کچے پکے مکانات تھے۔ ایک خوب صورت بچی ہاتھوں میں پھول لیے کھڑی تھی۔ ماریا کی بنائی ہوئی یہ ڈرائنگ احمد علی صاحب کو بھی بہت پسند آئی تھی، انھوں نے ماریا سے کہا تھا کہ اس طرح کے مناظر پاکستان کے شمالی علاقہ جات اور سوات و دیر میں بہت ہیں۔ انھوں نے بچوں سے وعدہ بھی کر لیا تھا کہ وہ گرمیوں کی چھٹیوں میں انہیں سوات لے کر جائیں گے۔ ماریا سب کو اپنی مصوری دکھاتے دکھاتے اسے قالین پر ہی چھوڑ کر سو گئی تھی۔ اتفاق سے رنگوں کا باکس بھی پاس ہی پڑا تھا۔ صبح جو ننھی اقرا جاگی تو اس نے رنگ اُٹھا کر ڈرائنگ کے اوپر کچھ اس طرح سے برش گھمائے کہ ساری

ڈرائنگ ہی خراب ہوگئی۔ ماریا روئے جا رہی تھی۔ حاجرہ بی بی اسے بھی سمجھا رہی تھیں، دلاسہ دے رہی تھیں اور ساتھ گھر بھر کے کام بھی کیے جا رہے تھیں۔ بچوں کو اسکول اور احمد صاحب کی دفتر روانگی کے بعد اب حاجرہ بی بی دادی اماں کے کمرے میں چلی گئیں۔ دادی اماں کافی عرصے سے بیمار تھیں۔ انھیں فالج جیسا موذی مرض کچھ ایسا لگا کہ جان چھوڑنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ احمد علی صاحب شام کو دفتر سے واپسی کے بعد خود اماں کی خدمت کرتے۔ ان سے باتیں کرتے اور ان سے ڈھیروں دعائیں لیتے۔ ایک صاحب دوپہر میں آ کر دادی اماں کی فزیوتھراپی بھی کرتے، لیکن دن بھر ان کی خدمت کی ذمے داری حاجرہ بی بی کی تھی۔ دادی اماں صبح کی نماز کے ساتھ جاگتیں، امی جی ان کو بستر پر ہی لوٹے اور برتن کی مدد سے وضو کروا دیتیں، وہ بستر پر لیٹے لیٹے ہی نماز فجر ادا کرتیں اور پھر سو جاتیں، شوہر اور بچوں کے جانے کے بعد وہ ان کے کمرے میں آیا کرتی تھیں۔ انھوں نے سب سے پہلے دادی اماں کو جگایا۔ ڈاکٹر نے ایک دوا خالی پیٹ لینے کو کہا تھا۔ پہلے وہ دوا دی، پھر ناشتا بنا کر دیا۔ کچھ وقفے کے بعد مزید تین چار دوائیں دیں، انھیں دوبارہ بستر پر لٹایا اور خود ناشتا کرنے چلی گئیں، ان سارے کاموں سے فارغ ہوتے ہوتے دن کے دس بج چکے تھے۔ وہ ابھی کچن میں سارے برتن اِکٹھے کرنے کے بعد دھونے کا سوچ ہی رہی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون؟'' انھوں نے پوچھا، دروازے سے کوئی جواب نہ آیا البتہ دستک دوبارہ سنائی دی، حاجرہ بی بی کو احمد علی صاحب نے سختی سے منع کر رکھا تھا کہ جب تک دروازے پر دستک دینے والے کی آواز نہ پہچانیں، دروازہ نہ کھولیں، وہ دروازے کے پاس گئیں اور وہاں جا کر پوچھا: ''کون؟''

جواب پھر نہ ملا، جب تیسری دفعہ دستک ہوئی تو حاجرہ بی بی نے غصے سے کہا۔

''دیکھیں آپ جو بھی ہیں، اگر اپنا نام نہیں بتائیں گے تو میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔''

''جی میں فقیرنی ہوں بی بی جی! اللہ کے نام پر کچھ دے دیں۔''
حاجرہ بی بی نے دروازہ کھولا اور بس یہ ہی ان کی سب سے بڑی غلطی ثابت ہوئی۔ باہر ایک عورت کھڑی تھی اور اس کے ساتھ چار نقاب پوش اسلحہ بردار تھے، جو انھیں دھکا دے کر اندر آ گئے اور عورت غائب ہوگئی۔
نقاب پوشوں میں سے ایک کرخت آواز میں بولا: ''گھر میں جتنا سونا، نقدی اور پرائز بانڈز ہیں، سب ہمارے حوالے کرو اور ذرا بھی ہوشیاری دکھائی تو ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''
حاجرہ بی بی کی حالت ایسی کہ کاٹو تو لہو نہیں، ڈاکو گھر میں دندناتے رہے، دادی اماں سو رہی تھیں۔ ڈاکو ان کے کمرے میں بھی گئے تھے۔ وہاں سے اور تو کچھ مل نہ سکا، دواؤں سے بھرا شاپنگ بیگ اُٹھا لیا، حاجرہ بی بی نے جان کے خوف سے زیورات، نقدی سب نکال کر دے دیا۔ ڈاکو لوٹ مار کے بعد فرار ہو گئے اور حاجرہ بی بی بستر پر گر گئیں، وہ اپنی جمع پونجی لٹنے پر شدید پریشان تھیں اور رو رہی تھیں۔ کچھ ہوش آیا تو اٹھ کر شوہر کو فون کیا اور روتے ہوئے واردات کا ماجرا سنایا۔ احمد علی صاحب شدید پریشانی میں دوڑے دوڑے گھر آئے اور صورتِ حال دیکھی تو پولیس کو فون کیا۔ اس دوران دادی اماں بھی جاگ گئیں، مگر کسی نے انھیں کچھ نہ بتایا تاکہ وہ پریشان نہ ہوں۔
احمد علی صاحب ڈرائنگ روم میں بیٹھے پولیس کی آمد کا انتظار کرتے ہوئے گہری سوچوں میں گم تھے۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ احمد علی صاحب اُٹھ کر دروازے تک گئے۔ چار پولیس والے ایک سب انسپکٹر کے ساتھ موجود تھے۔ حاجرہ بی بی دوسرے کمرے میں چلی گئیں تو پولیس والے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ پہلے احمد صاحب سے تفصیلات معلوم کیں اور پھر حاجرہ بی بی چادر اوڑھ کر آئیں اور ان کو تفصیلات بتائیں، پولیس والے جلد ملزمان کی گرفتاری کا وعدہ

کر کے چلے گئے۔
بچیاں اسکول سے واپس آ گئیں تو حاجرہ بی بی نے انھیں واردات کی مختصر تفصیل بتا دی، لیکن کچھ اس انداز سے کہ وہ خوف زدہ نہ ہوں۔ رات کو جب دادی اماں کو دوا دینے کا وقت آیا تو حاجرہ بی بی نے احمد صاحب کو بتایا کہ ڈاکو دواؤں کا تھیلا بھی لے گئے ہیں۔ احمد صاحب نے دوبارہ ڈاکٹر کا نسخہ لیا اور دوائیں لینے قریبی میڈیکل اسٹور پر چلے گئے اور نسخہ دکھا کر دوائیں مانگیں۔ جب میڈیکل اسٹور سے دوائیں لے کر وہ باہر نکلے تو اچانک ان کی نظر شاپنگ بیگ میں پڑے ایک ڈبے پر پڑی۔ احمد صاحب چونک گئے۔ انھوں نے وہ ڈبا نکالا اور میڈیکل اسٹور کی طرف دوڑ لگا دی۔

☆............☆

اگلے دن شام کے وقت احمد صاحب کے ڈرائنگ روم میں خوشیوں کے بسیرے تھے، ڈاکو پکڑے جا چکے تھے۔ سب مال برآمد ہو چکا تھا۔ گھر میں خوب چہل پہل تھی، عزیز رشتے دار جو آج صبح افسوس کرنے آئے تھے، اب ہنس بول رہے تھے، ماریا بولی: ''ابو! یہ تو بتائیں کہ چور پکڑے کیسے گئے؟''
''ہوا کچھ یوں کہ......'' احمد صاحب نے بات شروع کی۔
''ٹھہریں میں بھی آ جاؤں۔'' حاجرہ بی بی کچن میں چائے اور دیگر لوازمات لے کر کمرے میں آتے ہوئے بولیں۔ جب وہ صوفے پر بیٹھ گئیں تو احمد صاحب نے دوبارہ بات شروع کی: ''ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ ڈاکو کیسے پکڑے گئے، ہوا کچھ یوں کہ میں امی جی کی دوا لینے قریبی میڈیکل اسٹور پر گیا۔ جب وہاں سے باہر نکل رہا تھا تو اچانک میری نظر شاپنگ بیگ پر پڑی۔ امی جی جو معدے کی دوا کھاتی ہیں، اس کا ڈبا مجھے نظر آیا، لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اس ڈبے پر میرے قلم سے ''ایک گولی روزانہ صبح کے وقت'' لکھا ہوا تھا، کیوں کہ میں دوائیں لانے کے بعد حاجرہ بی بی

کو سمجھانے کے لیے ہر ڈبے پر اپنے ہاتھوں سے لکھ دیتا ہوں کہ کون سی دوا کب دینی ہے۔ اپنی لکھائی دیکھنے کے بعد، مجھے یقین ہو گیا کہ یہ ڈبا ہمارے ہی گھر سے چرایا گیا ہے۔ میں واپس میڈیکل اسٹور پر پہنچا اور اس سے پوچھا کہ یہ دوا آپ نے کہاں سے خریدی ہے، پہلے تو وہ ٹال مٹول کرنے لگا، لیکن جب میں نے بتایا کہ ہمارے گھر چوری ہوئی ہے اور یہ ہمارے ہی گھر سے چوری شدہ دوا ہے تو وہ گھبرا گیا، پھر اس نے بتایا کہ آج دوپہر میں ایک شخص نے آ کر یہ دوائیاں فروخت کی ہیں، اس شخص کا یہ کہنا تھا کہ یہ میری امی کی دوائیں ہیں، اب وہ فوت ہو گئی ہیں تو آدھی قیمت پر آپ خرید لیں۔ میں نے اس کی بات سن کر پولیس کو فون کیا، انھوں نے میڈیکل اسٹور میں لگے سی سی ٹی وی کیمرہ کی مدد سے فروخت کنندہ کی تصویر دیکھی، پھر نادرا کی مدد سے اس کی شناخت کی اور چھاپہ مار کر اس کو گرفتار کر لیا۔''

''ارے واہ پاپا! آپ تو بہت ذہین نکلے۔'' حنا بی بی خوشی سے چلّائیں۔

''ارے نہیں بیٹا! یہ سب آیت الکرسی کی برکت ہے، میں گھر کی حفاظت کے لیے اس کا ورد کر کے جاتا ہوں، اس لیے اللہ نے ہمارا تمام مال واپس کروا دیا اور ہاں حاجرہ بی بی اب آپ کسی فقیرنی کی آواز سن کر دروازہ نہ کھولیے گا۔ 'ڈور آئی' ہے نا، اس کا استعمال کر لیا کریں۔''

سب سے پہلے حاجرہ بی بی مسکرائیں اور پھر باقی سب بھی ہنسنے لگے۔ احمد صاحب کا گھر قہقہوں سے گونج اُٹھا۔ تھوڑی دیر میں جب ماحول معمول پر آ گیا تو احمد صاحب نے کہا: ''اللہ کے کلام میں بہت تاثیر ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی انسان کو اپنی تدبیر بھی اختیار کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اسباب پیدا کر دیتا ہے اور انسان اپنی عقل سے کام لے کر کامیاب ہو جاتا ہے۔''

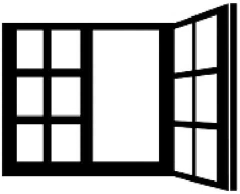

عِلم دریچے

مسلسل اور اچھا مطالعہ حصول علم کا بہترین ذریعہ ہے۔ مطالعہ کرتے ہوئے کوئی اچھی بات، کوئی اچھا قول، فکر انگیز مکالمہ، کوئی خوب صورت خیال نظر سے گزرے تو اسے اپنے علاوہ دوسروں کے لیے بھی محفوظ کر لیجیے۔ آپ جانتے ہیں ناں کہ علم کی تقسیم ہی علم کو ضرب دینے کے مترادف ہے۔ اپنی تحریر حوالہ کے ساتھ بھیجیے تاکہ اسے مستند سمجھا جائے۔

فرمودات نبوی ﷺ

شاکر اللہ، کیماڑی

☆ بُرے ساتھی کی قربت سے اکیلے رہنا بہتر ہے اور اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے۔

☆ کسی کو اچھی بات بتانا، خاموشی سے بہتر ہے اور بُری بات بتانے سے خاموشی بہتر ہے۔

☆ بُرے دوستوں کی صحبت سے بچو، کیوں کہ وہ تمھارا تعارف بن جاتے ہیں۔

☆ مظلوم کی بد دعا سے بچو، کیوں کہ وہ شعلے کی طرح آسمان پر جاتی ہے۔

☆ صبح سویرے اُٹھا کرو، کیوں کہ اس وقت اُٹھنا خیر و برکت کا باعث ہے۔

اچھی بات

روبینہ ناز، رتن تلاؤ

کوئی بھی شخص اپنی گفتگو یا اپنی تحریر میں الفاظ کا چناؤ اپنے علم اور ظرف کے مطابق کرتا ہے۔ جیسا ظرف ویسے الفاظ۔ ظرف، نسب و تربیت کا پتا دیتا ہے۔

میر تقی میر

ماہین سہیل، بلدیہ کالونی

میر تقی میر نے ۸۷ سال کی عمر پائی۔ وہ ۱۷۲۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱۰ء میں ان کا انتقال ہوا۔ میر تقی میر ابھی کم سن ہی تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے والد نے ان کی دیکھ بھال اور مناسب تربیت کے لیے دوسری

شادی کرلی۔

سوتیلی ماں کے پہلے ہی دو بچے تھے۔وہ میر کے والد کی غفلت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ان پر ظلم ڈھانے لگیں۔اسی دوران میر کے والد بھی وفات پاگئے اور اب سوتیلی ماں کا ظلم و تشدد اور شدّت اختیار کرگیا۔میر اپنے سوتیلے ماموں کے ہاں چلے گئے۔یہاں بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک نہ ہوا تو وہ یہاں سے بھاگ کر ایک نواب صاحب کے پاس چلے گئے۔

یہ نواب صاحب بہت رحم دل انسان تھے۔ نواب صاحب نے میر کے لیے وظیفہ مقرر کردیا، جو ایک روپیہ یومیہ تھا۔اب میر کے حالات سدھرنے لگے،مگر ابھی ان کی بدنصیبی کے دن ختم نہ ہوئے تھے۔اس نواب کا بھی انتقال ہوگیا اور یوں میر کا وظیفہ بند ہوگیا۔

کچھ عرصے بعد میر کی ملاقات ایک خاتون سے ہوگئی۔انھوں نے چاہا کہ وہ اُسے اپنی بیوی بنا کر اپنے تمام غموں کو بھلا دیں،مگر پھر اس عورت کی شادی کسی اور سے ہوگئی۔اس طرح گویا وہ شادی میں بھی ناکام ہوئے۔یوں مرتے دم تک وہ دردر کی ٹھوکریں کھاتے رہے۔انھوں نے اپنی اسی بےقراری اور بدنصیبی کا ذکر اپنے اشعار میں بھی کیا ہے۔مثلاً

ہم کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب ہم نے
دردو غم کتنے کیے جمع تو دیوان ہوا

جاپان میں رسمِ تحائف

تحریر : ابنِ انشا

وردہ محمد آصف،کراچی

جاپانیوں کے لیے تحفے کی رسم طرزِ حیات ہے۔ان کی ساری عمر اسی شغلِ عزیز میں گزرتی ہے اور بعض لوگ تو اس چکر میں دیوالیہ بھی ہوجاتے ہیں یا ہانک لگاتے سنائی دیتے ہیں۔”میں تیرا شہر چھوڑ جاؤں گا۔ابتدا اس کی معمولی ہوتی ہے کہ آپ نے تحفے میں رومال دیا انھوں نے جواب میں ٹائی پیش کی۔اگلی بار ٹائی سے زیادہ قیمت کی کوئی چیز دیں گے مثلاً واسکٹ اور جواب میں آپ کو سوٹ ملے گا۔اب اس سوٹ کو سامنے رکھ کر اگلی بار یا تو سونے کا ہار پیش کیجیے یا شہر

چھوڑ جائیے۔

اس صورتِ حال سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ بیچ میں کوئی بہانہ نکال کر تعلقات خراب کر لیجیے۔تم اپنا منھ اُدھر کرلو ہم اپنا منھ اِدھر کرلیں۔

سنہری باتیں

تحریم خان، شمالی کراچی

☆ کسی سے اتنی نفرت نہ کرنا کہ کبھی ملنا پڑے تو مل نہ سکو اور کسی سے اتنی محبت نہ کرنا کہ کبھی تنہا جینا پڑے تو جی نہ سکو۔

☆ ہمارا اچھا وقت دنیا کو بتاتا ہے کہ ''ہم کیا ہیں؟''، اور ہمارا بُرا وقت ہمیں بتاتا ہے کہ ''دنیا کیا ہے؟''

☆ بُرے وقت میں اپنوں میں چھپے پرائے اور پرائیوں میں چھپے اپنے نظر آ جاتے ہیں۔

☆ کوئی ملک اس وقت تک غلام نہیں ہوسکتا جب تک اس کے اپنے لوگ غداری نہ کریں، کیوں کہ اکیلا لوہا جنگل سے ایک لکڑی نہیں کاٹ سکتا جب تک لکڑی اس سے مل کر کلہاڑی نہ بنے۔

☆ انسان بہت خود غرض ہے۔ جب آپ کو پسند کرتا ہے تو آپ کی بُرائی بھول جاتا ہے اور جب آپ سے نفرت کرتا ہے تو آپ کی اچھائی بھول جاتا ہے۔

☆ کسی انسان کی نرمی اس کی کمزوری کو ظاہر نہیں کرتی ، جیسے پانی سے نرم کوئی چیز نہیں ہے، لیکن پانی کی طاقت چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔

☆ ہمیشہ میٹھے الفاظ بولو، تاکہ کبھی الفاظ واپس لینے پڑیں تو کڑوے نہ لگیں۔

☆ ہم میں سے زندہ وہی رہے گا جو دلوں میں زندہ رہے گا اور دلوں میں زندہ وہی رہتے ہیں جو خیر بانٹتے ہیں۔ محبتیں بانٹتے ہیں۔ آسانیاں بانٹتے ہیں۔

☆ جن لوگوں کے خیالات اچھے ہوتے ہیں وہ کبھی تنہا نہیں رہتے۔

☆ اگر راستہ خوب صورت ہے تو معلوم کرو کہ کس منزل کو جاتا ہے، لیکن اگر منزل خوب صورت ہے تو راستے کی پروا مت کرو۔

☆ ناکامی یہ نہیں کہ آپ گر جائیں، بلکہ ناکامی

یہ ہے کہ آپ دوبارہ اُٹھنے سے انکار کر دیں۔
☆ اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا ایک بہترین خوبی ہے۔ اس سے انسان میں عاجزی بڑھتی اور تکبر کم ہوتا ہے۔

موتی

لئیقہ نور، کراچی

رات کی تاریکی میں ایک شہزادے کے تاج سے ایک قیمتی موتی پتھریلی زمین پر گر گیا۔ اس نے تلاش شروع کر دی، مگر ناکام رہا۔
بادشاہ نے کہا: ''بیٹا! اندھیرے میں تجھے کیا معلوم کہ پتھر کون سا ہے اور موتی کون سا؟ اس لیے تمام پتھر محفوظ کر لے، ان ہی میں موتی ہوگا۔''

اس حکایت میں یہ سبق چھپا ہوا ہے کہ بہت سے بُرے لوگوں میں کچھ اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں جو نظر نہیں آتے، اس دنیا میں پتھر اور موتی ملے ہوئے ہیں۔

یادگار انتقام

نورین ناظم، اسلام آباد

ڈربن کے نواح میں ایک نئی بستی تعمیر کی جا رہی تھی۔ علاقے کے ایک بڑے خطے کا مالک کوئی جرمن تھا۔ بستی کی سڑکوں کا نام رکھنے کا اختیار اسے دے دیا گیا۔ اس شخص نے جرمن زبان کے بڑے پیچیدہ پیچیدہ نام رکھنے شروع کر دیے۔ چناں چہ اس سے کہا گیا کہ یہ انگریزوں کی آبادی ہے۔ لہٰذا انگریزی نام زیادہ مناسب رہیں گے۔
جرمن نے ناموں کی ایک نئی فہرست تیار کر دی۔ لوگ خوش ہوئے، کیوں کہ یہ سب بامعنی انگریزی نام تھے۔
کئی سال بعد کا ذکر ہے بستی کے ایک مکین کو سڑکوں کے ناموں سے کچھ شناسائی کا احساس ہوا اور اس کے جذبۂ تجسس نے اسے تحقیق پر اُکسایا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ بیشتر سڑکوں کے نام برطانوی بحریہ کے ان جنگی جہازوں کے ناموں پر رکھے گئے تھے، جنھیں دوسری جنگِ عظیم میں جرمنوں نے غرق کیا تھا۔

شین شرارت

طنز و مزاح کے اس نئے سلسلے میں لطائف، مزاحیہ واقعات،
مزاحیہ اشعار، دلچسپ کارٹون یا تصاویر بھی بھجوائی جا سکتی ہیں

ایک آدمی نے اپنے دوست سے پوچھا: ''ایک گدھا دو فٹ کی رسی سے بندھا ہوا ہے، بتاؤ وہ دس فٹ دور پڑی گھاس کیسے کھائے گا؟''

دوست خاموش رہا۔

''خاموش کیوں ہو، کیا ہار مان لی؟''

''ہاں''

''اس گدھے نے بھی مان لی تھی۔''

سیدہ ماہم، کراچی

ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا:
''مجھے ناشتے میں چائے نہ دیا کرو۔''

بیوی نے حیرت سے کہا: ''مگر آپ تو چائے کے بہت شوقین ہیں۔''

شوہر نے کہا: ''دراصل چائے پی کر مجھے دفتر میں نیند نہیں آتی۔''

حافظ محمد اسلم، کراچی

ایک بوڑھی عورت روزانہ بس ڈرائیور کو کھانے کے لیے بادام دیا کرتی تھی۔ ایک دن ڈرائیور نے پوچھا: ''اماں! تم مجھے روزانہ بادام ہی کیوں دیتی ہو؟''

بوڑھی عورت نے جواب دیا: ''میرے دانت نہیں ہیں بیٹے! بادام کو یوں ہی چوس کر پھینکنا اچھا نہیں لگتا۔''

زرین بانو سلیم الدین، حیدر آباد

ایک آدمی رات کو کسی دکان کے تالے میں چابی لگا رہا تھا۔ اچانک چوکیدار آ گیا اور کہا: ''اس دکان کے تالے کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟''

وہ شخص بولا: ''مجھے ایک جگہ سے چابی پڑی ہوئی ملی تھی، اب میں تالے میں لگا کر دیکھ رہا ہوں۔ اگر تالے میں لگ گئی تو اسے مالک کو دے دوں گا۔''

حشمت خان، مردان

دو پاگل باتیں کر رہے تھے۔ ایک بولا: ''اگر میرے ایک سوال کا جواب دے دو تو میں تمھیں مان جاؤں گا۔''

دوسرا بولا: ''سوال کیا ہے؟''

پہلا بولا: ''ہاتھی اور بکرے میں کیا فرق ہے؟''

دوسرا بولا: ''کوئی فرق نہیں۔''

پہلا بولا: ''وہ کیسے؟''

دوسرا: ''کیوں کہ دونوں کو اسکوٹر چلانا نہیں آتا۔''

جاوید ابراہیم پھل، پھل شہر

ایک آدمی بھینس خریدنے گیا۔ مالک نے قیمت بیس ہزار روپے بتائی تو خریدار نے کہا: ''اس بھینس کی یہ قیمت تو بہت زیادہ ہے۔''

☆ مالک: ''وہ کیسے؟''

خریدار: ''اس کی ایک آنکھ نہیں ہے۔''

مالک: ''آپ کو اس سے دودھ حاصل کرنا ہے یا کشیدہ کاری کروانی ہے؟''

ابیہا آصف، نارتھ کراچی

ڈاکٹریات

ڈاکٹر نے مریض کا معائنہ کرنے کے بعد غصے سے کہا: ''غضب خدا کا، تم میرے پاس اب آئے ہو، پہلے کسی کو دکھایا؟''

''جی نہیں، میڈیکل اسٹور والے کے پاس چلا گیا تھا۔'' مریض نے بتایا۔

''کیا بے وقوفی کی بات ہے۔ میڈیکل اسٹور والا ڈاکٹر کیسے ہوسکتا ہے، خیر! اس نے تمھیں کیا احمقانہ مشورہ دیا؟''

''جی، اس نے مجھے آپ کے پاس بھیج دیا۔''

علینہ سلیم، رحیم یار خان

ایک ذہنی مریض ماہرِ نفسیات کے پاس لایا گیا۔ ڈاکٹر کے پوچھنے پر اس نے کہا: ''ڈاکٹر صاحب! مجھ میں یہ خرابی ہے کہ میں نائیلون کی جرابوں کے بجائے سوتی جرابیں پسند کرتا ہوں۔ اس کا کیا علاج ہے؟''

ماہرِ نفسیات: ''بھئی یہ کون سی خرابی ہے، جرابیں تو میں بھی سوتی ہی پسند کرتا ہوں۔''

مریض خوشی سے تالی بجاتے ہوئے بولا: ''اچھا ڈاکٹر صاحب! یہ تو بتایئے کہ آپ جرابیں چٹنی لگا کر کھاتے ہیں یا میری طرح ان پر لیموں نچوڑ کر؟''

عمران علی، لاہور

☆ ایک صاحب ڈاکٹر صاحب کے پاس گئے اور کہا: ''ڈاکٹر صاحب! جسم پر جہاں اُنگلی لگاتا ہوں وہیں درد ہوتا ہے۔''

ڈاکٹر نے پورے جسم کا ایکسرے کروالیا۔ رپورٹ آنے پر پتا چلا کہ صرف اُنگلی کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے۔

ایمن شاہد، میر پور خاص

☆ مریض (ڈاکٹر سے): ''مجھے رات کو خواب میں گھوڑے فٹ بال کھیلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔''

ڈاکٹر: ''یہ دوا کھالیں۔''

مریض: ''کل کھاؤں گا۔''

ڈاکٹر: ''وہ کیوں؟''

مریض: ''آج تو فائنل ہے۔''

تحریم لیاقت، کراچی

قول کا سچا ڈاکٹر

میرا ڈاکٹر بھی قول کا پکا اور زبان کا سچا ہے۔
اُس نے کہا تھا ''میں تمھیں تمھاری دو ٹانگوں پر کھڑا کر دوں گا''۔
اُس نے واقعی اسے سچ ثابت کر دکھایا۔ اتنا لمبا بل دیا کہ کار بیچنی پڑ گئی اور میں واقعی اپنی دو ٹانگوں پر آ گیا۔

دو دوست شیخیاں بگھار رہے تھے۔ پہلے نے کہا: ''تم نے بحرۂ ہند کا نام سنا ہے! اسے میرے ماموں جان نے ہی کھودا تھا۔ اس سے جو مٹی نکلی، اس سے ہمالیہ پہاڑ بنا دیا۔''
دوسرا دوست بولا: ''اس میں کون سی بڑی بات ہے، تم نے بحیرۂ مردار کا نام تو سنا ہوگا، اسے میرے ماموں جان نے ہی مارا تھا۔''

عالیہ نور، راولپنڈی

شوہر صبح سویرے اُٹھا تو دیکھا کہ اس کی بیوی مر چکی ہے۔ وہ باورچی خانے میں آیا، جہاں اس کی بیٹی ناشتا بنا رہی تھی۔
اس نے اپنی بیٹی سے اُداس لہجے میں کہا:
''بیٹا! تمھاری امی وفات پا گئی ہیں، اب ان کے لیے پراٹھا نہیں بنانا۔''

خنسہ محمد عقیل شاہ، لیاری، کراچی

ہمارے ساتھ ایک ''س'' ہو گیا۔ ہم نے ''د'' میں گوشت ''ڈ'' کر بنایا کہ ''ص'' آ جائے مگر ''ع'' وقت پر ''ء'' آ گیا اور سب کھا گیا۔

پیغامِ عمل

رات کا وقت بھی ہے اور ہے مسجد بھی قریب
اُٹھیے جلدی سے کہ پیغامِ عمل لایا ہوں
گھر میں فی الحال ہیں جتنے بھی پرانے جوتے
آپ بھی جا کے بدل لیں، میں بدل لایا ہوں

یقینِ عاقبت

دیکھ کر جوتوں کو غائب شیخ فرمانے لگے
ساتھیو! ڈھونڈو بہت سے ہیں یہاں مل جائیں گے
آئی مجمع سے صدا، جب عاقبت پر ہے یقیں
ایک جوتے کے عوض، ستر وہاں مل جائیں گے

آخری خواہش

سزائے موت دے کر ایک مجرم سے کہا جج نے
بلا خوف و خطر جو آخری خواہش ہو بتلاؤ
بہت لٹکا کے منھ مجرم یہ بولا، اب تو جج صاحب!
مری خواہش یہی ہے، میرے بدلے تم لٹک جاؤ

فائدہ در فائدہ

پوچھا یہ ایک طبیب نے اپنے مریض سے
میری دوا سے فائدہ کتنا ہے آپ کو
ہنس کر مریض بولا کہ بہتر تو ہوں مگر
اتنا نہیں ہے فائدہ جتنا ہے آپ کو

ڈاکٹر اور قسائی

ہے اب بھی فرق اتنا ڈاکٹر میں اور قسائی میں
اگرچہ صرف کھالیں کھینچنا دونوں کا پیشہ ہے
قسائی پھر بھی بہتر ہے، ذبح کرنے سے کچھ پہلے
کم از کم زور سے اللہ اکبر پڑھ تو لیتا ہے

کفایت شعاری

مرے اک با کفایت دوست کو افسوس تھا اس پر
انھیں کھانا تھی گولی نیند کی، اور سو گئے پہلے
وہ سو کر جب اُٹھے، اس بات پر بے حد ہوئے برہم
دوائیں ہو گئیں ضائع، وہ اچھے ہو گئے پہلے

مہا اُستاد

سرجن کی فیس دے کے کہا اک مریض نے
توبہ ہے میری اور میرے ابا کے باپ کی
استاد! میں تو لایا تھا دس جیبیں کاٹ کر
تم نے تو جیب ایک ہی جھٹکے میں کاٹ لی

مشورہ حکیم جی کا

بولے یہ اک حکیم جی اپنے مریض سے
کھایا کرو نہار منھ اک سیب کاٹ کر
کہنے لگا مریض کہ بھوکے رہیں گے سب
بچوں کا پیٹ بھرتا ہوں میں جیب کاٹ کر

یہ تمام قطعات جناب امیر الاسلام ہاشمی کی کتاب ''واعلیکم سلام'' سے لیے گئے ہیں

Press Ad

Page 38

شوخ شریر چنچل

کیپشن لگائیے ، نام پائیے

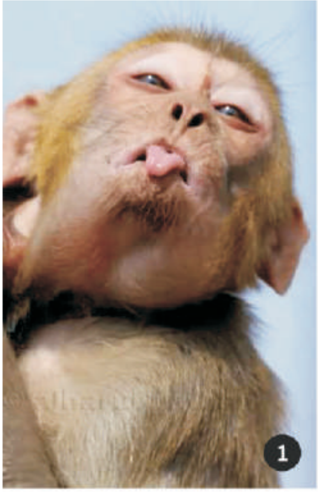

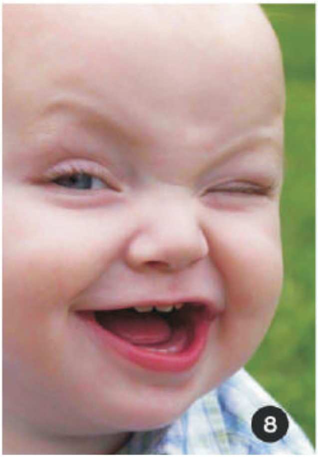

Press Ad

Page 40

جُھوٹا گواہ

ابوالاثر حفیظ

ابوالاثر حفیظ جالندھری پاکستان کے نامور شاعر اور قومی ترانے کے خالق ہیں ان کی طویل نظم ''شاہ نامۂ اسلام'' نے بڑی شہرت حاصل کی۔ حفیظ جالندھری نے بچوں کے لیے بھی خوب صورت نظمیں لکھیں۔ یہ نظم انھی شاہ کار نظموں میں سے ایک ہے۔

بیاباں میں اُونٹوں کا اک قافلہ
چلا جا رہا تھا دُڑم دُم دُڑم
تھی اک اونٹ کی پیٹھ زخمی کہیں
اُسے اُس کے مالک نے چھوڑا وہیں
وہ بوجھا اُٹھانے کے قابل نہ تھا
اکیلا بیاباں میں وہ رہ گیا
بڑھی جب کہ گرمی دُڑم دُم دُڑم
لگی پیاس اُس کو تُڑم تُم تُڑم
وہ پھرتا رہا خوب اِدھر اور اُدھر
کہیں اُس کو پانی نہ آیا نظر
کئی دن نہ پانی جب اس کو ملا
بُرا حال اُس اونٹ کا ہوگیا
اُسے پھرتے پھرتے دُڑم دُم دُڑم
ملا ایک گیدڑ تُڑم تُم تُڑم
کہا اس سے گیدڑ نے سن اے چچا
اگر تجھ کو پانی کا دوں میں پتا
تو کھاؤں گا کچھ گوشت میں نوچ کر
جہاں پر سے زخمی ہے تیری کمر''

ہو اونٹ راضی دُڑم دُم دُڑم
چلے پھر وہ مل کر تڑم تُم تڑم

وہ پہنچے وہاں ایک ندّی کے پاس
بجھائی جہاں اونٹ نے اپنی پیاس

کہا پھر تو گیدڑ نے ''لے اے چچا
مجھے گوشت اپنی زباں کا کھلا''

کہا اونٹ نے '' واہ دُڑم دُم دُڑم
مگر کا تھا وعدہ تڑم تُم تڑم''

تو گیدڑ یہ بولا ''نہیں اے چچا!
زباں ہی کا وعدہ تھا تُو نے کیا''

کہا اونٹ نے ''جھوٹ کہتا ہے تُو
فریبی ہے تُو سخت جھوٹا ہے تُو''

تو گیدڑ پکارا ''دُڑم دُم دُڑم
چچا تُو ہے جھوٹا تڑم تُم تڑم''

پکارا یہ گیدڑ ''ٹھہرنا یہاں
گواہ لے کے آیا ابھی دیکھ ہاں''

یہ کہہ کر وہ بھاگا دُڑم دُم دُڑم
اُچھل کود کرتا تُڑم تُم تُڑم

وہیں بَھٹ میں رہتا تھا اک بھیڑیا
کہا اس سے گیدڑ نے سب ماجرا

کہ اونٹ ایک پھانسا ہے میں نے یہاں
چلو کاٹ لیں چل کے اُس کی زباں

یہ سن کر بہت خوش ہوا بھیڑیا
چلا ساتھ گیدڑ کے ہنستا ہوا

بہت جلد پہنچے وہ ندی کے پاس
جہاں اونٹ بیٹھا ہوا تھا اُداس

کہا بھیڑیے نے ''دُڑم دُم دُڑم
میں سچ بولتا ہوں تڑم تُم تڑم

زباں کے کھلانے کا وعدہ تھا ہاں
میں سنتا تھا جھاڑی کے پیچھے وہاں

جو وعدہ کیا تھا، وہ سچ کر دکھا
زباں اپنی گیدڑ کو جلدی کھلا

مُکرتا ہے کیوں اب دُڑم دُم دُڑم
مُکرنا ترا ہے تُڑم تُم تُڑم

کہا اونٹ نے '' پیٹھ کا گوشت لو''
تو دونوں یہ بولے ''زباں ہی کا دو''

کہا اونٹ نے ''میں تو مر جاؤں گا''
یہ دونوں پکارے ''ہمیں اس سے کیا''

غرض اونٹ بولا دُڑم دُم دُڑم
بہت تنگ آ کر تُڑم تُم تُرم

کہ لو بھائی گیدڑ زباں کاٹ لو
خدا تم سے سمجھے گا اس بات کو

وہ بیٹھا جُوں ہی اپنا منھ کھول کر
تو گیدڑ کو آنے لگا دل میں ڈر

کہا بھیڑیے سے دُڑم دُم دُڑم
کہ ہاں میرے پیارے تڑم تُم تُڑم

زباں اونٹ کی تو ہے موٹی بہت
مری تھوتھنی اس سے چھوٹی بہت

ذرا آکے منھ سے زباں تھامنا
مجھے سہل ہوجائے گا کاٹنا

کہا بھیڑیے نے دُڑم دُم دُڑم
بہت خوب اچھا تُڑم تُم تڑم

نہ تھی بھیڑیے کو مگر کچھ خبر
دیا ڈال جھٹ اونٹ کے منھ میں سر

کیا اونٹ نے بند جھٹ اپنا منھ
دیا زور دانتوں کا بھر کر کے اُونہہ

غرض بھیڑیئے کی دُڑم دُم دُڑم
پھٹی کھوپڑی جب تُڑم تُم تڑم

تو گیدڑ بھی بھاگا یہ کہتا ہوا
ملی جھوٹ کی بھیڑیئے کو سزا

کہا اونٹ نے تُو بھی آ گوشت کھا
تو گیدڑ پکارا نہیں اے چچا

دُڑم دُم دُڑم ، دُڑم دُم دُڑم
تُڑم تُم تڑم ، تُڑم تُم تڑم

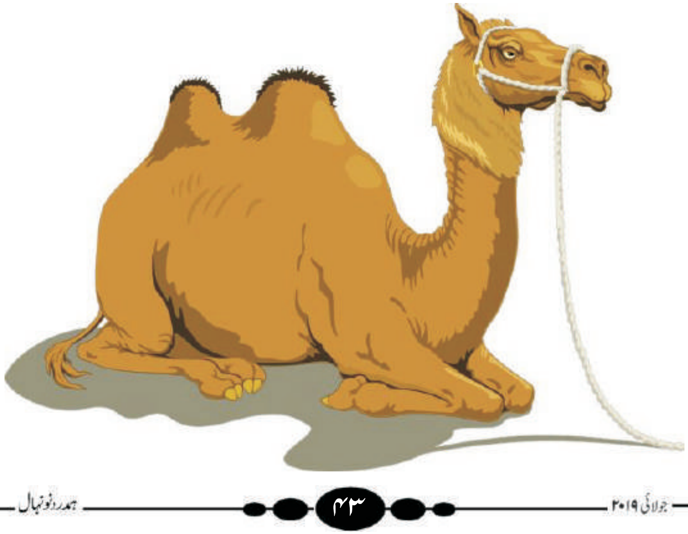

Press Ad

Page 44

آپ کتنے ذہین ہیں؟

تصویر میں چھپے 6 الفاظ تلاش کریں

وقت ہے صرف 60 سیکنڈ

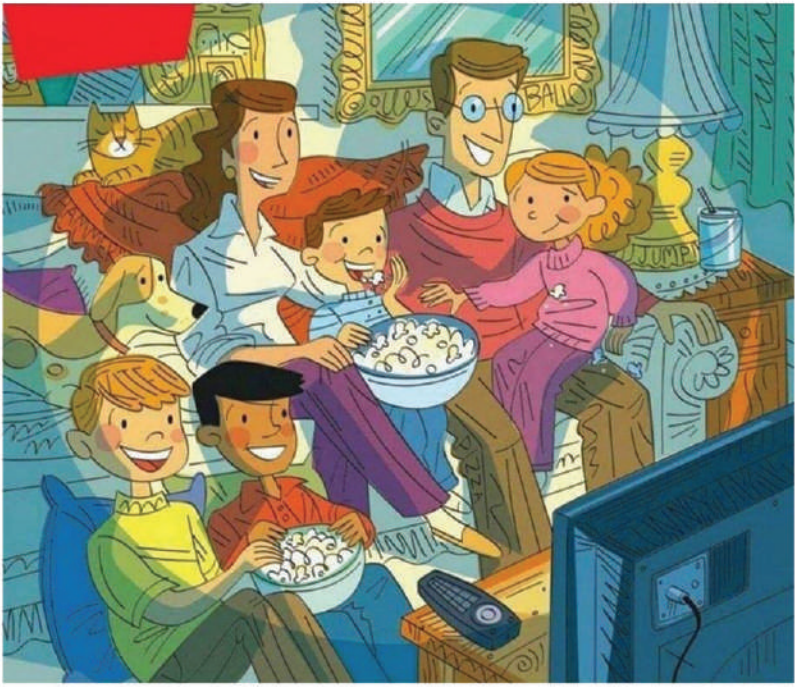

گرمی کی چھٹیوں میں ہم کیا کریں گے؟

قدسیہ جبیں

امی یہ کہتی ہیں
ہر روز کچھ دیر
لکھیں پڑھیں گے
.........پھر کیا کریں گے؟

نانی کے گھر جا کے
دادی کے گھر جا کے
کچھ دن رہیں گے
.........پھر کیا کریں گے؟

پیڑوں پہ چڑھ کر
ان سے اتر کر
بندر بنیں گے
.........پھر کیا کریں گے؟

خالہ کے گاؤں میں
تانگے پہ بیٹھیں گے
پیدل چلیں گے
.........پھر کیا کریں گے؟

پانی کے اندر
اچھلیں گے کودیں گے
کچھ تیر لیں گے
.........پھر کیا کریں گے؟

باغوں میں جا کر
سبزے پہ لوٹیں گے
مستی کریں گے
.........پھر کیا کریں گے؟

کچی زمیں پر
پودے اگائیں گے
گوڈی کریں گے
.........پھر کیا کریں گے؟

گڈو کو، عاشی کو
گھر پہ بلا کر
کچھ کھیل لیں گے
.........پھر کیا کریں گے؟

گڈے کی گڑیا کی
شادی رچائیں گے
مہماں بنیں گے
.........پھر کیا کریں گے؟

رسی پھلانگیں گے
دوڑیں گے بھاگیں گے
پھر سانس لیں گے
.........پھر کیا کریں گے؟

امی سے چھپ کر
تتلی کو پکڑیں گے
پھر چھوڑ دیں گے
.........پھر کیا کریں گے؟

سونے سے پہلے، بستر پہ لیٹے
چندا سے تاروں سے
باتیں کریں گے۔
گرمی کی چھٹیوں میں یہ سب کریں گے۔

نباتاتی بھنورا

زرافہ بھنورا

خون چوس کیڑا

لکڑی کیڑا

سبز بھنورا

ستارہ کیڑا

سینگوں والا کیڑا

عجیب و غریب کیڑے

ظفر شمیم

نباتاتی بھونرا: بھونرے، حشرات کی دنیا کا سب سے بڑا خاندان ہیں، جن کی چار لاکھ سے زائد اقسام حیاتیاتی علم کے رکارڈ میں درج ہیں۔ان میں سے ایک Chrysdmelidae ہے۔ اس طرح کے بھونرے اپنی ساری زندگی نباتات پر رہ کر گزارتے ہیں۔ پتے، جڑیں، شاخیں، پھول حتیٰ کہ پھولوں کا رس بھی ان کی خوراک ہے۔ پھولوں کی بعض انواع میں یعنی پھولوں کی افزائش کا عمل بھی صرف اسی بھونرے کے وجہ سے پروان چڑھتا ہے۔ان کے منھ اور پیروں پر پھولوں کے ذرّے چپک کر دوسرے پھول میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

زرافہ بھونرا : اسے حشرات کی دنیا کا زرافہ کہتے ہیں، کیوں کہ تمام حشرات میں اس کی گردن زرافے کی طرح سب سے لمبی ہوتی ہے۔ یہ اپنی لمبی گردن کو نباتاتی درختوں اور زمینوں کے بلوں اور دراڑوں میں ڈال کر نہ صرف خوراک تلاش کرنے میں بالکل زرافے کی طرح کام میں لاتا ہے، بلکہ دور دور تک کا نظارہ دوسرے حشرات کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ کرسکتا ہے۔ یہ اچھوتا بھونرا Curculionoidea اپنے سر پر دو بڑے اینٹینوں سے لہریں پیدا کر کے ماحول کا جائزہ بھی لیتا رہتا ہے۔

سبز بھونرا: روئے زمین پر بھونروں کی چار لاکھ سے زائد اقسام ہیں جو حشرات الارض کی تمام انواع میں سب سے زیادہ ہیں۔ یہ خاص چمکتی دمکتی سبز نسل Ischiopsopha SP ہے جو سبز گھاس کے میدانوں میں رہتی ہے۔ سبز پتے اور نباتات اس کی خوراک ہے۔

خون چوس کیڑا: کسی ویڈیو گیم کی بَلا کی طرح عفریت دکھائی دینے والی یہ مخلوق Tegenaria Domestica ہے۔اس کیڑے کی حقیقی جسامت سے ۲۵ لاکھ گنا بڑا کر کے الیکٹران مائیکرواسکوپ کے ذریعے دکھایا گیا ہے۔ یہ انتہائی ننھی مخلوق ہمارے گھروں میں اور آس پاس پائے جانے والے پرندوں کے پَروں میں چھپ کر رہتی ہے۔اس کے منھ میں ۱۴ دانت ہیں، جو انجکشن کے اُصول پر خون چوستے ہیں۔یہی اس کی خوراک ہے۔

ستارہ کیڑا: جی ہاں......! یہ ستارہ کیڑا (Star Worm) اندھیرے میں ستاروں کی طرح چمکتا دمکتا نظر آتا ہے۔ یہ دراصل بھونرے کی نسل کا ایک لاروا ہے، جو زمین پر درختوں سے ٹوٹ کر گرنے والے سبز پتوں پر رینگتا رہتا ہے اور ان کو اپنی خوراک بناتا ہے۔ستارہ کیڑا حال ہی میں اسلامی ملک برونائی کے تاریک جنگلات میں دریافت ہوا ہے۔

لکڑی کیڑا: لکڑی کیڑا دور سے دیکھنے میں کسی شاخ یا پودے کے حصے جیسا لگتا ہے۔ بہت غور سے دیکھنے پر اس کی موجودگی کا پتا چلتا ہے۔ ان کی ۳۷ اقسام ایسی ہیں جو اچانک سیکنڈ کے آٹھویں حصے میں جھپ پٹ اپنے پَر کھول کر اُڑ جاتی ہیں۔ جب یہ کیڑے اپنے پَر سمیٹ لیتے ہیں تو پتا بھی نہیں چلتا کہ ان کے پَر ہیں بھی یا نہیں۔

سینگوں والا کیڑا: سوکھی گھاس میں رہنے والے اس بھونرے جیسے کیڑے کے سینگوں کی طرح دو لمبے اینٹینے ہوتے ہیں۔Saraathrocera SP نامی یہ کیڑا اپنے انہی اینٹینوں کے ذریعے دور دور تک لہریں پھینکتا ہے۔مختلف اشیا سے لہریں ٹکرا کر واپس آتی ہیں تو ان کی مدد سے راستے کا تعین کرتا ہے۔ یہ سینگوں والا بھونرا گھاس پھوس اور چھوٹے حشرات کا شکار بھی کرتا ہے۔

تاریخ۔شخصیت۔معلومات۔مقابلہ (۱۴)

برصغیر کا یہ عظیم موسیقار کون ہے؟

نام بوجھیے

سلیم فرخی

میں ہندستان کے شہر گوالیار سے سات میل دور موضع بھینٹ میں ۱۵۲۴ء میں پیدا ہوا تھا۔ میری پیدائش ہندوؤں کی سب سے اونچی برہمن ذات میں ہوئی تھی۔ میرے والد کا نام ''پنڈا مکرند'' تھا۔ انھیں اپنی اونچی ذات پر بڑا ناز تھا۔ وہ کٹر ہندو ہونے کے باوجود شاہ محمد غوث گوالیاری کے معتقد تھے۔ شاہ صاحب کی معجزہ نما نظر کی دھوم تھی۔ میری پیدائش سے پہلے والد صاحب کو بہت دکھ تھا کہ وہ بوڑھے ہونے کو ہیں اور اب تک اولاد جیسی نعمت سے محروم ہیں۔

ایک دن وہ پریشان ہوکر شاہ صاحب کے پاس پہنچے اور رونے لگے۔ شاہ صاحب کے پوچھنے پر انھوں نے اپنا دکھ بیان کیا۔ شاہ صاحب نے توجہ کی اور مراقبے میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد انھوں نے والد صاحب کو بتایا: ''تمھاری مراد پوری ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمھیں ایک بیٹا دے گا اور بیٹا بھی ایسا کہ رہتی دنیا تک اس کا نام زندہ رہے گا۔''

والد سوچتے رہے کہ شاید میرا بیٹا کوئی بڑا پنڈت بنے گا، تبھی تو اس کا نام زندہ رہے گا۔ دیوتا اس پر خاص دھیان دیں گے، تاکہ وہ دھرتی پر آکاش کا تارا بن کر رہے۔

میری پیدائش ہوئی تو باپ کے ہاتھ میں تو جیسے کھلونا آ گیا۔ وہ ہر وقت میرے جھولے کے پاس بیٹھے رہتے۔ جب پاؤں پاؤں چلنے لگا تو وہ میرے ماتھے پر تلک لگا کر پوجا کے لیے اپنے بٹھا لیتے تھے۔ میرا نام ''ترلوچن داس'' رکھا گیا۔ میں عام بچوں کی طرح کھلنڈرا اور شرارتی نہیں تھا۔ میرے چہرے پر سنجیدگی طاری رہتی تھی۔ میں ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا تھا۔

ایک دن میں گہری نیند سو رہا تھا۔ گھر میں مدھم سا چراغ جل رہا تھا۔ میرے والدین ابھی جاگ رہے تھے۔ والدہ کچھ بے چین سی تھیں۔ وہ شوہر سے کچھ کہنا چاہتی تھیں، لیکن ڈر بھی رہی تھیں۔ آخر ہمت کر کے بولیں: ''اپنا ترلوچن آپ ہی آپ گنگناتا رہتا ہے۔''

والد نے کہا: ''یہ کون سی نئی بات ہے، بچے تو آوازیں نکالتے ہی رہتے ہیں۔''

''یہ ویسی آواز نہیں ہے، مجھے سُروں کی جان کاری نہیں ہے، لیکن مجھے ایسا لگتا ہے، وہ سُر تال کے رازوں سے واقف ہے۔ اس کے بول راگوں میں سے چھن کر نکلتے ہیں۔ گاتے وقت اسے آس پاس کا ہوش نہیں رہتا۔ میں نے کئی بار چھپ چھپ کر دیکھا ہے۔''

اب تو میرے ابا بھی سوچ میں پڑ گئے کہ بیوی جو کہہ رہی ہے، وہ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھیں۔ یہ سب باتیں ایک دن مجھے میری ماں نے بتائی تھیں۔ اس وقت میری عمر پانچ برس تھی۔ ایک دن

میں گھر کے ایک کونے میں گا رہا تھا کہ ماں دوڑتی ہوئی گئی اور میرے باپ کو بُلا لائی۔ میری آنکھیں بند تھیں اور میں ہولے ہولے بڑی مہارت سے گا رہا تھا۔ باپ نے میری ماں سے کہا: ''میرا خیال ہے جس کی دعا سے یہ پیدا ہوا ہے اسی کے پاس لے جاؤں۔ انھی کی دعا سے یہ ترقی کرے گا۔''

والد ایک بار پھر مجھے شاہ محمد غوث گوالیاری کے پاس لے گئے اور کہا: ''اس پر سُر کا دیوتا مہربان ہے۔ ہر وقت سُروں کی دُھن میں کھویا رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں، اسی فن میں اسے تعلیم دلاؤں۔ آپ دعا کیجیے۔''

شاہ صاحب نے مجھے قریب بلایا اور اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اس وقت وہ پان کھا رہے تھے۔ انھوں نے اپنے منھ سے چبا ہوا پان نکالا اور میرے منھ میں رکھ دیا۔ والد نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسا ہوگا۔ مسلمان کی منھ کی پیک ایک برہمن بچے کے منھ میں! بیٹے کا تو دھرم باقی نہ رہا۔ انھوں نے شاہ صاحب سے کہا: ''حضرت! اب یہ ہمارے کام کا نہیں رہا، اسے اپنے پاس ہی رکھیے۔ میں اور اس کی ماں کبھی کبھی آ کر اسے دیکھ جایا کریں گے۔''

حضرت شاہ صاحب بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ راجے مہاراجے ان کی قدم بوسی کو حاضر ہوتے تھے۔ انھیں سماع کا شوق تھا۔ بڑے بڑے کامل استاد اہلِ فن ان کی خدمت میں حاضر رہتے۔ ایسے ماحول میں میری تو مراد پوری ہوگئی۔ میرے شوق کو پَر لگ گئے۔ استادِ فن یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ جن گتھیوں کو سلجھانے میں زمانے لگ جاتے، وہ میں لمحوں میں سیکھ لیتا تھا۔ آہستہ آہستہ میرا گلا سُروں کا خزانہ بن گیا۔ سیکھنے کی عمر میں ہی استاد بن گیا تھا۔ اس دوران والدین کا انتقال ہوگیا۔ پھر شاہ صاحب کا بھی انتقال ہوگیا۔ مجھے اپنے والدین کی وفات کا اتنا صدمہ نہیں تھا جتنا صدمہ حضرت شاہ صاحب کے انتقال سے ہوا۔ میں ان ہی کو اپنا سب کچھ سمجھتا

تھا۔ میں چاہتا تو شاہ صاحب کے پرستاروں کے طفیل مزے سے زندگی گزار سکتا تھا، لیکن شاہ صاحب کے بغیر گوالیار میں رہنا مجھے قبول نہیں تھا۔ گوالیار کا مشہور گائیک ''مکسو'' تھا۔ جو میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے انتقال کر گیا تھا۔ مکسو کی ایک بیٹی دکن کے علاقے میں رہتی تھی۔ میں دکن پہنچ گیا۔ میرا خیال تھا کہ مکسو کی بیٹی میرا گانا سن کر اپنے باپ کے تمام شاگردوں کو بھول جائے گی۔ میں نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ اس نے بجائے سراہنے کے طنزیہ لہجے میں کہا: ''تُو کچھ اور سیکھتا اور پھر یہاں آتا تو اچھا تھا۔''

جس شوق سے دکن آیا تھا، اتنی ہی بے زاری سے لوٹ گیا کہ جب تک کامل استاد نہ بن جاؤں، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ میں درویشوں کی طرح جنگلوں میں نکل گیا۔ کپڑے تار تار ہو گئے، بال دھول میں اَٹ گئے۔ چلتے چلتے تھک جاتا تو کہیں گر جاتا۔ بھوک لگتی تو بستی میں جا کر کچھ مانگ لیتا۔ اس طرح کئی سال گزر گئے۔

ایک دن مرشد شاہ صاحب کو یاد کرتے کرتے سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ مرشد کسی سادھو کا ہاتھ پکڑ کر میرے پاس لا رہے ہیں۔ سادھو کی شکل مکسو سے ملتی تھی۔ مرشد نے دعائیں دیں اور میرا ہاتھ سادھو کے ہاتھ میں دے دیا۔ سادھو نے مجھے اپنا علم سکھا دیا۔ یہ خواب مرشد کی کرامت اور ایک اشارہ تھا۔ میں پھر دکن کی طرف چلا۔ مکسو کی بیٹی نے کہا: ''تم پھر آ گئے؟''

میں نے جواب دیا: ''تم ہی نے تو کہا تھا کہ کچھ سیکھ لیتے تو اچھا تھا۔ میں نے بہت کچھ سیکھ لیا ہے۔''

''اچھا تو سناؤ، دیکھیں کیا سیکھ کر آئے ہو۔''

میں نے گانا شروع کیا۔ مکسو کی بیٹی کے چہرے کا رنگ ہی بدل گیا۔ حیرت سے اس کا منھ کھلا رہ گیا۔ اسے لگا جیسے اس کا باپ مکسو اس کے سامنے گا رہا ہے۔ اس نے پوچھا: ''کہاں سے سیکھ کر آئے ہو؟''

میں نے اسے پورا خواب سنا دیا۔ مسکو کی بیٹی کو اشارہ مل گیا کہ اس کا باپ کیا چاہتا ہے۔ اس نے مجھے اپنے ہاں ٹھہرالیا اور اپنا خاندانی علم میرے حوالے کر دیا۔

اب میں سراپا موسیقی بن گیا تھا۔ ایک دن میں گھر سے نکل گیا۔ جنگلوں کی خاک چھانتا رہا۔ میرا گانا سن کر درخت بھی جھوم اُٹھتے۔ پرندے اردگرد جمع ہو جاتے۔ میں سادھوؤں کی طرح گاتا پھرتا۔ لوگوں کا ہجوم لگ جاتا۔ آخر میرے فن کی دھوم بگھیل کھنڈ کے مہاراجا رام چند تک پہنچ گئی۔ اس نے مجھے بلالیا۔ مجھے دیکھ کر وہ سمجھا کہ کوئی فقیر ہے جس نے کچھ راگ یاد کر لیے ہیں، لیکن جب میں نے گانا شروع کیا تو صبح سے شام ہوگئی۔ راجا کے ہوش اُڑ گئے۔ اس نے مجھ پر عنایات کی بارش کر دی۔ پل بھر کو مجھ سے جدا نہ ہوتا۔ میں خود ایک راجا کی طرح رہنے لگا۔ راجا نے سوچا، ایسا ہیرا تو اکبر بادشاہ کے دربار میں بھی نہ ہوگا۔

یہ مغل سلطنت کے عروج کا زمانہ تھا۔ جلال الدین اکبر کی ہیبت سے زمین کانپتی تھی۔ مہاراجا رام چند نے ایک بار مغلوں کے دشمن سوری خاندان کی مدد کی تھی، اس لیے اکبر اس پر چڑھائی کی تیاری کر رہا ہے مہاراجا کو پتا چلا تو اس نے خود ہی قلعے کی چابیاں دے کر اپنے بیٹے راجا بیر بہادر کو دربارِ اکبری میں بھیج دیا، جہاں اسے ایک معزز عہدہ ملا۔ اکبر بادشاہ کے دربار میں میرے فن کی خوشبو پہنچ چکی تھی۔ مہارت کسی بھی فن میں ہو اکبر کی کم زوری تھی۔ اس کا دربار رنگا رنگ فن کاروں سے بھرا ہوا تھا، جو رتن (قیمتی موتی) کہلاتے تھے۔ اکبر بادشاہ نے مجھے بھی بلوا لیا۔ راجا رام چند مجھے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، مگر مجبور تھا۔

اب میں دربارِ اکبری سے وابستہ تھا۔ مہاراجا کی طرح اکبر بادشاہ بھی میرا گرویدہ ہوگیا۔ بادشاہ چہل قدمی کرتا تو میری بنائی ہوئی دُھنیں اس کی روح کو شاداب کر دیتیں۔

دربار میں زین خان نامی ایک گانے والا استاد تھا۔ ایک دن بادشاہ نے اس سے کہا: ''ہم تمھاری

آواز کا اثر تب جانیں کہ ہرن اُچھلتے کودتے تمھارے پاس چلے آئیں۔''

زین خان نے کہا: ''یہ کون سا مشکل کام ہے۔اس کے لیے مجھے جنگل میں جانا ہوگا۔''

جنگل میں خیمے نصب کر دیے گئے۔اس نے ایک فارسی غزل ایسے راگ میں گائی کہ سیکڑوں ہرن اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ ہرن راگ اور سُروں میں اس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ درباریوں نے تقریباً پچاس ہرن آسانی سے پکڑ لیے۔ یہ واقعہ میرے دربار میں آنے سے پہلے کا تھا۔محفل میں اس کا ذکر ہوا تو مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا۔

ایک دن زین خان نے بھری محفل میں مجھ سے کہا: ''اگر تم اپنے گانے سے مجھے خوش کر دو تو میں تمھیں استاد تسلیم کر لوں گا۔''

میں نے کہا: ''یہ کون سی بڑی بات ہے۔اگر تم اپنے لب بند بھی کر لو تو میں دعویٰ کرتا ہوں کہ تب بھی واہ واہ کی صدا نکل ہی آئے گی۔اگر ایسا نہ ہوا تو میں گانا چھوڑ دوں گا۔''

سب نے عہد کر لیا کہ میری تعریف میں کوئی آواز نہ نکلے گی، لیکن جب میں نے گانا شروع کیا تو سب سے پہلے زین خان نے ہی جھومنا شروع کیا، کیوں کہ موسیقی کی باریکیوں سے وہی سب سے زیادہ واقف تھا۔اس نے بہت ضبط کیا، لیکن بے اختیار ہو گیا۔بھول گیا کہ اس نے کیا عہد کیا تھا۔ ہر تان پر کلمۂ تحسین اس کی زبان سے بلند ہو رہا تھا۔گانے کے بعد وہ بولا: ''واقعی تم باکمال ہو۔تاریخ ہمیشہ تمھیں یاد رکھے گی۔''

راگ درباری اکبر بادشاہ کا پسندیدہ راگ تھا۔مشہور ساز رباب میری ہی ایجاد ہے۔ایک دن دربار میں کسی نے بادشاہ سے کہا: ''جہاں پناہ! راگ دیپک کا نام سنا ہے، مگر کسی کو اس کا ماہر نہ پایا۔اگر ہوتا تو آپ کے دربار میں آ چکا ہوتا۔بھلا پانی میں کس طرح آگ لگ سکتی ہے؟''

میں بھی قریب ہی بیٹھا تھا۔میں نے بادشاہ سے کہا: ''عالی جاہ! اللہ کے حکم سے پانی میں آگ لگا

سکتا ہوں۔''

بادشاہ نے کہا: ''سوچ لو میاں! مجھے آگے بڑھ کر پیچھے ہٹنے والے لوگ پسند نہیں ہیں۔''

''مجھے منظور ہے۔'' میں نے سر جھکا کر جواب دیا۔

دریائے جمنا کے کنارے خیموں کی بستی آباد ہو گئی۔ میں دریا میں اُترا۔ پانی میری ناف تک پہنچ گیا۔ دریا کے کنارے سب سانس روکے بیٹھے تھے کہ میں اپنے دعوے میں کام یاب ہوتا ہوں یا ناکام۔ میں نے گانا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ فضا گرم ہونے لگی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد پانی سے شعلے نکلنے لگے۔ یہ نہ جادو تھا نہ نظر بندی۔ پانی میں آگ لگ چکی تھی۔ بیربل بے اختیار چیخا: ''حضور! یہ کیا؟ یہ بالکل جادو ہے۔''

مغل اعظم اکبر بادشاہ نے سنجیدگی سے کہا: ''اچھی آواز اور سچے سُروں سے بڑھ کر اور کون سا جادو ہوگا۔''

بعد میں اس واقعے کو مورخ جلال الدین شروانی نے اپنی تاریخ میں یہ جملہ درج کیا: ''ایسا لگتا تھا، جیسے پانی میں شعلے بھڑک اُٹھے ہوں۔''

میں چاروں طرف آگ سے گھرا ہوا تھا۔ بادشاہ نے خادم خاص سے کہا: ''اس سے کہو، اب باہر نکل آئے۔ ہم نے اس کی مہارت کو تسلیم کر لیا۔ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے۔''

بادشاہ کے حکم سے میں نے گانا بند کیا۔ گانا ختم ہوتے ہی آگ کے شعلے بجھ گئے اور دریا اسی طرح بہنے لگا۔ اس واقعے نے مجھے شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ ہندوؤں نے تو مجھے بھگوان کا اوتار قرار دے دیا۔

مجھے راگ ملہار میں بھی مہارت تھی۔ یہ راگ گانے سے بارش ہونے لگتی تھی۔ اکبر بادشاہ نے مجھے جو لقب عطا کیا تھا، وہی میری پہچان بنا۔

میرے چار بیٹے تھے اور ایک بیٹی۔ بیٹے موسیقی کی طرف پوری طرح راغب نہ ہو سکے، البتہ ایک بیٹی نے خاصی مہارت حاصل کرلی تھی۔ راگ دیپک گانے سے میرے جسم میں آبلے پڑ گئے تھے۔ حکیم صاحب سے علاج ہو رہا تھا۔ اس دوران بیٹی وہ راگ چھیڑ دیتی تھی، جس سے ماحول میں ٹھنڈک پیدا ہو جاتی تھی۔

۱۸/ جولائی ۱۵۸۹ء (۵/رمضان المبارک ۹۹۷ ہجری) پینسٹھ سال کی عمر میں میری آواز ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔ میری وصیت کے مطابق میری میت کو آگرہ سے گوالیار لاکر میرے مرشد حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری کے احاطۂ مزار میں دفن کر دیا گیا۔ وہاں ہر سال رمضان المبارک کے وسط میں محفلِ سماع منعقد کی جاتی ہے۔

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

مئی ۲۰۱۹ء کے شمارے میں آپ کی ملاقات چین کے ایک بڑے فلسفی کنفیوشش سے کرائی گئی تھی۔
جن نونہالوں نے اس شخصیت کا نام بوجھ لیا ہے، ان کے نام درجِ ذیل ہیں:

☆ **کراچی:** سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سیدہ جویریہ جاوید، سید عفان علی جاوید، سارہ عبدالواسع، سیدہ ناہید نرگس، ایمن ناز شیخ، محمد عباس شیخ، علینا اختر، حفصہ طارق، عروبہ امین، سیدہ کلثوم فاطمہ، حُر بن اشعر، عبدالرحمٰن عارف، وردہ محمد آصف، حسان خالد ☆ **ملتان:** محمد اُسید خالد ☆ **راولپنڈی:** محمد حسن، محمد عمار، زہرا نور بٹ، ہانیہ نور بٹ ☆ **کھڈیاں خاص:** فروا ظہیر ☆ **پرانا سکھر:** محمد حسیب ☆ **ڈیرہ غازی خان:** رفیق احمد ناز ☆ **حیدرآباد:** محمد یوسف قریشی، ماہ رخ، امامہ تجمل ☆ **لاہور:** عکرمہ ضیا، سمیعہ ضیا ☆ **جگہ نا معلوم:** انیقہ عبدالجبار، معظّمہ حسن مصطفوی۔

ہمدرد نونہال

جس نے بھی پڑھ لیا اسے پایا ہے باکمال
کیا خوب ہے رسالہ ''ہمدرد نونہال''

تاثیر سے بھری ہوئی اس کی کہانیاں
نظمیں ہیں اس کی خوب، لطیفے ہیں بے مثال

کرتا ہے پیش جو بھی ذہانت کے سلسلے
ہوتا ہے آگہی سے بھرپور ہر سوال

پڑھ لے کوئی جو اس کے مضامین ایک بار
ہوتا ہے پھر وہ علم کے جوہر سے مالا مال

اس کی لغت سے جب کبھی الفاظ دیکھ لیں
رہتا نہیں ہے پھر کسی غلطی کا احتمال

اس کی بتائی راہ پر جب بھی کوئی چلا
منزل پہ پہنچنا اسے ہوتا نہیں محال

جب بھی نیا شمارہ میرے گھر پہ آگیا
گھر کا ہر ایک فرد ہوا کِس قدر نہال

خورشید کی طرح یہ چمکتا رہے ضیاؔء
میری دعا ہے اس کو نہ آئے کوئی زوال

لنچ بکس

تامل ناڈو کی مرغی

اسے تامل ناڈو میں ''چیٹی ناڑ'' یعنی ''تلی ہوئی مرغی'' کہتے ہیں۔ یہ وہاں کی چیٹیار برادری کی خاص ڈش سمجھی جاتی ہے اور سادے چاول اور بھنی ہوئی پھول گوبھی کے ساتھ بہت مزہ دیتی ہے۔ روٹی کے ساتھ بھی کھا سکتے ہیں۔

مرغی : سوا کلو / نمک : ایک چائے کا چمچہ / ہلدی پاؤڈر: چوتھائی چائے کا چمچہ

کھانے کا تیل : چار کھانے کے چمچے / رائی ثابت : آدھا چائے کا چمچہ

ماش کی دال دھلی ہوئی: آدھا چائے کا چمچہ / میتھی کے بیج صاف کیے ہوئے: آدھا چائے کا چمچہ

ثابت تیز سرخ مرچیں : پانچ عدد / پیاز درمیانی کٹی ہوئی: ایک عدد

ترکیب : مرغی کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کاٹ لیں۔ اچھی طرح دھونے کے بعد کپڑے سے خشک کر کے ان میں تھوڑا سا نمک (تین چوتھائی چائے کے چمچے) اور ہلدی اچھی طرح لگا کر ۱۵ منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ باقی یعنی چوتھائی چائے کا چمچہ نمک تین کھانے کے چمچے پانی میں گھول کر رکھ لیں۔

کڑھائی میں تیل درمیانی آنچ پر گرم کریں۔ تیل گرم ہو جائے تو اس میں رائی کے بیج ڈال دیں۔ وہ جیسے ہی چٹخنے لگیں، ماش کی دال شامل کر کے چمچہ چلائیں۔ دال سرخ ہو جائے تو میتھی کے بیج اور مرچیں ڈال دیں اور جب مرچیں گہرے رنگ کی ہونے لگیں تو کٹی ہوئی پیاز شامل کر کے ہلکی بادامی کر لیں۔ اب مرغی کی بوٹیاں ڈال کر کفگیر سے الٹ پلٹ کریں۔ پانچ منٹ تک انھیں تلنے کے بعد نمک گھلے پانی کے چھینٹے دیتے جائیں۔ اسی طرح ۱۰ سے ۱۵ منٹ تک تلیں، یہاں تک کہ نمک کا پانی ختم ہو جائے اور مرغی اچھی طرح پک کر ہلکی بادامی ہو جائے۔ مرغی کو تیل سے نکال کر پیش کریں۔ چار افراد کے لیے کافی ہوگی۔

ازبکستان: نخلستانوں کا ملک

محمد فرحان اشرف

ازبکستان وسطی ایشیا میں واقع ایک اسلامی ملک ہے۔ یہ چاروں طرف سے خشکی میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے شمال مشرق اور شمال میں قازقستان، مشرق میں کرغزستان اور تاجکستان، جنوب میں افغانستان اور مغرب میں ترکمانستان واقع ہیں۔ ازبکستان کا سرکاری نام جمہوریہ ازبکستان، دارالحکومت تاشقند، رقبہ چار لاکھ ۴۷ ہزار چار سو مربع کلومیٹر، سرکاری اور قومی زبان ازبک، مذہب اسلام، طرزِ حکومت صدارتی جمہوریہ اور کرنسی ازبک سوم ہے۔ یہ دریائی وادیوں اور نخلستانوں کا ملک ہے۔ اس کا دس فیصد رقبہ قابل کاشت اور باقی رقبہ صحرا اور پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ یہاں کا مشہور صحرا قزل قم ہے۔ سردیوں میں اوسط درجۂ حرارت ۲۳ ڈگری سینٹی گریڈ اور گرمیوں میں ۴۰ ڈگری سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ ازبکستان کا رقبہ اور آبادی

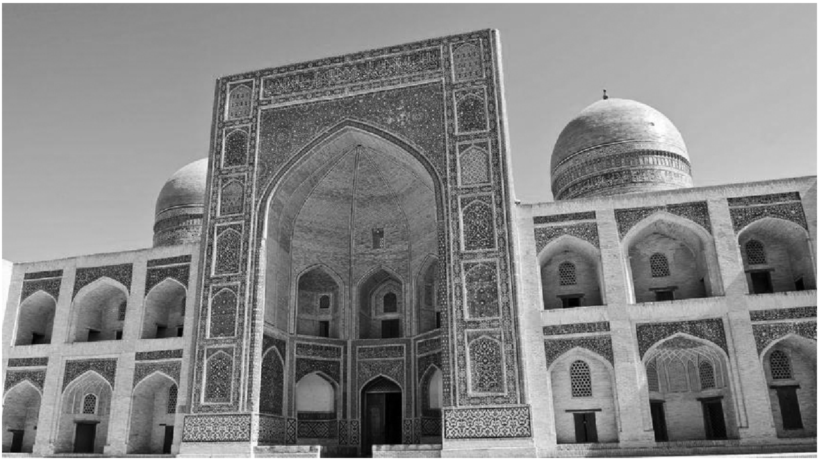

پاکستان سے کم ہے۔

یہاں سب سے پہلے آباد ہونے والے لوگ وسطی ایشیا کے ایرانی خانہ بدوش تھے۔انھوں نے زراعت کو ترقی دی اور آب پاشی کا ایک بہترین نظام قائم کیا۔اسی دور میں سمرقند اور بخارا کے شہر آباد ہونا شروع ہوئے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں وسطی ایشیا میں افغانستان کے خانہ بدوش باختری ،چین سے تعلق رکھنے والی انڈو یورپی قوم اور ایران کے آتش پرست قبائل تخاری سلطنتیں قائم تھیں۔ جب چین نے مغرب کے ساتھ اپنے تجارتی رابطے بڑھائے ،تو ایران نے اس بات کا بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس علاقے کو تجارت کا مرکز بنایا۔تجارتی راستے شاہراہ ریشم پر واقع ہونے کے باعث سمرقند(پرانا نام مرکندہ)اور بخارا(پرانا نام شاش) وسطی ایشیا کے امیر ترین شہر تھے۔

یونان کے سکندر نے یہاں کی سغدی اور باختری ریاستوں کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ان ریاستوں پر یونان کا قبضہ زیادہ دیر برقرار نہ رہا۔یونان کے بعد پارتھی اور ساسانی حکمرانوں نے یہاں حکومت کی۔ساتویں صدی عیسوی میں مسلمانوں نے ایران فتح کرنے کے بعد ماوراءالنہر(ترکستان) میں قدم رکھے۔اموی خلیفہ ولید کے عہد میں ایک مسلمان مجاہد قتیبہ بن مسلم نے موجودہ ازبکستان کے علاقوں کو فتح کر کے وہاں اسلام کی روشنی پھیلائی۔

مسلمانوں کو یہاں ترک اور ایرانی قبائل کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ان قبائل کو چین کی مدد حاصل تھی۔ ۷۵۱ءتک یہ سارا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آچکا تھا۔

تیرہویں صدی عیسوی میں چنگیز خان نے وسطی ایشیا کے تمام علاقے فتح کر لیے۔تاتاریوں نے ترک مسلمانوں کا وسیع پیمانے پر قتل عام کیا اور ان کے شہر برباد کر دیے۔ چودھویں صدی عیسوی میں سلطنت تاتاری سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ایک ترک سردار امیر تیمور نے ماوراءالنہر (ترکستان) اور وسطی ایشیا کے زیادہ تر علاقے فتح کر لیے۔اس کا دارالحکومت سمرقند تھا۔امیر تیمور کی وفات کے بعد اس کی سلطنت دو

حصوں میں بٹ گئی۔ بحیرۂ ارال کے جنوب میں رہنے والے ازبکوں نے ماوراء النہر (ترکستان) پر قبضہ کر لیا۔ مشہور ازبک سردار شیبانی خان نے ازبک قبائل کو متحد کر کے ایک مضبوط سلطنت کی بنیاد رکھی۔ مغلیہ سلطنت کا بانی ظہیر الدین بابر بھی امیر تیمور کی نسل سے تھا۔ ظہیر الدین بابر فرغانہ کے شہر اندیجان موجودہ کرغزستان میں پیدا ہوا۔ وہ نوجوانی میں ریاست فرغانہ کا حکمران بنا، لیکن اپنے چچا کی شدید مخالفت کے باعث اسے فرغانہ چھوڑنا پڑا۔ ۱۵۰۴ء میں اس نے کابل آ کر مغلیہ سلطنت قائم کر لی۔

انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں روس نے یہاں اپنے قدم جمانے شروع کیے اور آہستہ آہستہ وہ سارے علاقے پر قابض ہو گیا۔ سوویت یونین کے خاتمہ پر ۳۱ راگست ۱۹۹۱ء کو ازبکستان ایک آزاد ملک کے طور پر دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ سوویت دور میں ازبکستان کے قابل کاشت رقبہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے کیمیائی کھادوں کا استعمال بہت زیادہ استعمال کیا گیا۔ مصنوعی کھادوں اور دیگر کیمیائی اثرات سے یہاں کی زمین کی پیداواری صلاحیت کم ہو گئی۔ بحیرۂ ارال کے پانی کو بہت زیادہ آلودہ کر دیا گیا۔ اس طرح اس جھیل کا رقبہ بہت کم رہ گیا۔ سوویت دور میں یہاں جراثیمی ہتھیار بنانے کی ایک خفیہ لیبارٹری بھی قائم کی گئی تھی، جس کے اثرات سے اردگرد کا ماحول تباہ ہو چکا ہے۔ ازبکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ یہاں سے وسطی ایشیا کے ممالک کو زرعی اجناس برآمد کی جاتی ہیں۔

سوویت دور میں یہاں مختلف صنعتیں لگائی گئی تھیں، جو آج بھی چل رہی ہیں۔ یہاں پر گاڑیاں اور مختلف مشینری تیار کی جاتی ہے۔ زیادہ تر مشینری ازبکستان برآمد کرتا ہے۔ یہاں کے لوگ کُشتی کے بڑے شوقین ہیں۔ اس کے علاوہ آئس ہاکی، باسکٹ بال اور ہینڈ بال وغیرہ بہت شوق سے کھیلے جاتے ہیں۔

ازبکستان کے اہم شہروں میں تاشقند، سمرقند اور بخارا شامل ہیں۔ تاشقند، ازبکستان کا دارالحکومت اور سب سے بڑا شہر ہے۔ ترک زبان میں تاش کا مطلب پتھر اور قند کے معنی شہر کے ہیں۔ عرف اس شہر کو الشش کہتے تھے۔ اسلام سے پہلے یہ چاچ یا شاش کہلاتا تھا۔ بعد میں اس کا نام چاچ قند رکھ دیا

گیا۔۱۸۸۵ء میں تاشقند پر روس نے قبضہ کر لیا۔اس دور میں یہ شہر ایک خودمختار سوویت علاقے ترکستان کا دارالحکومت تھا۔۱۹۱۹ء میں اسے سوویت ازبک جمہوریہ کا دارالحکومت بنا دیا گیا۔ پرنس روما نوف محل، امیر تیمور میوزیم اور فائن آرٹ میوزیم یہاں کی قابل دید عمارات ہیں۔سکندر نے ۳۳۰ق م میں سمرقند کو فتح کیا۔اس وقت اس شہر کا نام مرکندہ تھا۔ چودہویں صدی عیسوی میں امیر تیمور نے اس شہر کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ یہاں کی قابلِ دید عمارات میں امیر تیمور کا مقبرہ، مقبرہ بی بی خانم اور شاہ زندہ کا مقبرہ شامل ہیں۔ یہ شہر اسلامی تعلیمات کا اہم مرکز بھی ہے۔شہر میں واقع بی بی خانم مسجد یہاں کی اہم عمارتوں میں شمار ہوتی ہے۔اسلامی دنیا کا مشہور ترین شہر بخارا ہے۔ جو دریائے زرفشاں پر واقع ہے۔ مسلم تاریخ، فقہ اور حدیث کے مشہور عالم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخارا میں پیدا ہوئے۔بوعلی سینا بھی اسی شہر سے تعلق رکھتے تھے۔ یہاں کی مشہور تاریخی عمارات میں پانی کا ایک قدیم تالاب لب حوض، کالون مینار، مقبرہ چشمہ ایوب اور مقبرہ اسماعیل سامانی شامل ہیں۔

ازبکستان کے مشہور کھانوں میں شرپا، چک وارا، پیلاف اور مانٹی شامل ہیں۔شرپا گوشت کا مزے دار پکوان ہے۔ یہ بکرے کا گوشت، چاول اور مختلف سبزیاں ڈال کر تیار کیا جاتا ہے۔ چک وارا، ازبکستان کا مشہور پکوان ہے۔اس میں انڈے، آٹا، بڑا گوشت، پیاز، کالی مرچ اور کھٹا دودھ ڈالا جاتا ہے۔ پیلاف ازبکستان میں بڑے شوق سے کھایا جاتا ہے۔ یہ مختلف اقسام مثلاً سبزی پلاؤ اور چکن پلاؤ وغیرہ کی صورت میں تیار کیا جاتا ہے۔گوشت اور سبزیوں کا مزیدار سالن مانٹی کہلاتا ہے۔

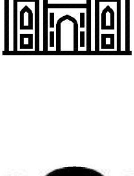

نونہال خبر نامہ

خرم فرخی

بچے اور الیکٹرانک آلات

ٹیبلٹ ،موبائل فون کا استعمال چھوٹے بچوں میں بھی عام ہو گیا ہے۔ بڑوں کے لیے بھی اس کے نقصانات ہیں۔ اس کے باوجود اس آلے کے بغیر رہنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔اس کے استعمال کی زیادتی اور خطرناک اثرات کو دیکھتے ہوئے پہلی مرتبہ عالمی ادارہ برائے صحت (WHO) نے پانچ سال سے کم عمر بچوں کے لیے ٹی وی،ٹیبلٹ ،موبائل فون وغیرہ استعمال کرنے کی ایک حد مقرر کر دی ہے۔ اگر بچہ پانچ سال سے کم عمر ہے تو صرف ایک گھنٹے تک ان آلات کی اسکرین پر دیکھ سکتا ہے۔ ہدایت کی گئی ہے کہ ایک سال سے کم عمر بچے کو سختی سے ان آلات کی اسکرین سے دور رکھا جائے۔

دنیا کا سب سے بدبودار پھل

کینبرا یونی ورسٹی کی لائبریری کے عملے نے فائر فائٹرز کو طلب کر کے گیس لیک ہونے کی اطلاع دی۔ فائر فائٹر نے پوری عمارت کو خالی کرالیا۔ تلاش کے بعد پتا چلا کہ عمارت میں پھیلی ہوئی بدبو گیس کی نہیں بلکہ ’’ڈیورین‘‘ (Durian) نامی ایک ایسے پھل کی ہے، جس کی بُو سونگھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس پھل کی بدبو ایسی ہوتی ہے جیسے سڑی ہوئی مچھلیوں کے ڈھیر سے آتی ہے۔ اس پھل کو کھانے کے لیے بڑی ہمت اور برداشت کی ضرورت ہے۔

مقابلہ تماچے بازی

دنیا بھر میں مختلف قسم کے انوکھے مقابلے ہوتے رہتے ہیں۔ روس میں ایک دوسرے کو تھپڑ مارنے کا مقابلہ منعقد ہوتا ہے۔ روسی شہر ''کراسنایارسک'' میں ہونے والے اس مقابلے میں انتہائی ماہر تماچے بازوں نے شرکت کی۔ مقابلے کا سادہ اُصول یہ ہے کہ مخالفین ایک دوسرے کو اس وقت تک تماچے مارتے رہتے ہیں، جب تک ایک فریق ناک آؤٹ نہیں ہو جاتا۔ جیتنے والے کو ''سب سے بھاری ہاتھ والے تماچے باز'' کا اعزاز دیا جاتا ہے۔ اس مقابلے میں عام لوگ بھی اندارج کرا سکتے ہیں۔

سمندر میں ہوٹل

انسان نے سیر و تفریح کے لیے مختلف جگہیں تلاش کیں اور مختلف انداز اختیار کیا ہے۔ ناروے میں ایک ایسا ہوٹل تعمیر کیا گیا ہے جو سمندر کے اندر ہے۔ یہ ہوٹل سیر و تفریح کے علاوہ ریسرچ کے لیے بھی استعمال ہوگا۔ زیرِ آب اس ہوٹل کا افتتاح ہو چکا ہے۔ یہ شاہ کار بین الاقوامی شہرت یافتہ آرکی ٹیکچر کمپنی نے بڑی مہارت سے تعمیر کیا ہے اس میں ایک سو افراد کی گنجائش ہے۔

نونہال مشاعرہ

موضوع: ''انسان''

اس مرتبہ سے ہم نے آپ کے پسندیدہ سلسلے بیت بازی کا انداز تبدیل کیا ہے۔ آیندہ سے تمام اشعار ایک موضوع کے تحت ہوں گے۔ اس شمارے میں نمونے کے طور پر موضوع ''انسان'' کا انتخاب کیا گیا ہے۔ آنے والے شمارے کے لیے موضوع ہے ''دنیا''۔ آپ ہمیں اس موضوع پہ ایسا شعر بھجوائیں جس سے آپ کے عمدہ ذوق، پسند کے معیار اور شائستگی و اخلاق کا اندازہ ہوتا ہو۔ (ادارہ)

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

شاعر: مرزا غالب پسند: سمیعہ توقیر، کراچی

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

شاعر: الطاف حسین حالی پسند: سائرہ خان، گلشنِ معمار

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

شاعر: مرزا غالب پسند: محمد سلمان زاہد، کراچی

بلندی چاہیے انسان کی فطرت میں پوشیدہ
کوئی ہو بھیس، لیکن شانِ سلطانی نہیں جاتی

شاعر: جگر مراد آبادی پسند: سیدہ ماہم، کراچی

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ اطاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

شاعر: خواجہ میر درد پسند: سعد محمود، حیدر آباد

جہلِ خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انسان، بڑھ گئے سائے

شاعر: جگر مراد آبادی پسند: فاطمہ شعیب، کراچی

کاٹ لینا ہر کٹھن منزل کا کچھ مشکل نہیں
اِک ذرا انسان میں چلنے کی ہمت چاہیے

شاعر: علامہ محمد اقبال پسند: محمد احمد اسلم، کراچی

آدمی کا آدمی ہر حال میں ہمدرد ہو
اک توجہ چاہیے انساں کو انساں کی طرف

شاعر: حفیظ جونپوری پسند: شائلہ خاور، ملیر

نقلی مچھیرے

جاوید اقبال

اکبر خان نے اپنی بکری کو پہاڑی سے پھسلتے دیکھا تو تیزی سے پتھروں کو پھلانگتا ہوا ڈھلوان پہ بھاگا۔ بکری تو گرنے سے بچ گئی، مگر اکبر خان خود کو نہ سنبھال سکا۔ اس کا پاؤں ایک جھاڑی سے اُلجھا اور وہ ڈھلوان پر پھسلتا ہوا دلدلی کیچڑ کی طرف لڑھکتا چلا گیا۔ گرتے گرتے اکبر خان کا ہاتھ ایک جھکے ہوئے درخت کی ڈال پہ پڑ گیا یوں وہ دلدل میں گرنے سے بچ گیا وہ درخت کی شاخ کو مضبوطی سے تھامے ڈھلوان کی طرف کھسکنے لگا ڈھلوان پہ پہنچ کر اس نے شکر کا لمبا سانس لیا۔ خوش قسمتی سے اسے چند معمولی خراشوں کے سوا کوئی اور چوٹ نہیں آئی۔ اس نے کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی، تاکہ اپنی بکریوں کو دیکھ سکے۔ اسی وقت اس کی نظران دو آدمیوں پر

پڑی جو لکڑی کا ایک بکس اُٹھائے جھاڑیوں میں چھپتے ہوئے پہاڑی غار میں داخل ہو رہے تھے، دونوں نے شہری لباس پہنا ہوا تھا۔

''یہ کون لوگ ہیں؟ یہ تو گاؤں کے نہیں لگتے۔'' اکبر خان نے حیرانی سے زیرِ لب کہا۔ وہ اپنی بکریوں کو بھول کر غار کی طرف چل پڑا اور اندھیرے غار میں داخل ہو گیا۔ جب اس کی نظریں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اس نے دیکھا کہ غار خالی تھا۔ غار میں گھسنے والے شہریوں اور اس لکڑی کے بکس کا وہاں نام و نشان تک نہ تھا۔

''یہ لوگ کہاں چلے گئے؟ غار تو پیچھے سے بند ہے۔'' اکبر خان نے خود سے کہا۔ اس نے غار کا کونا کونا چھان مارا، مگر کچھ نظر نہ آیا۔ اکبر خان اپنی بکریاں لے کر گھر لوٹنے لگا تو اس کی نظر دریا میں ایک کشتی پر پڑی، تین مچھیرے مچھلیوں سے بھری کشتی کھینچتے ہوئے دریا کی دوسری سمت جا رہے تھے۔

دوسرے دن اکبر خان نے پھر ان دو آدمیوں کو غار میں داخل ہوتے دیکھا۔ اکبر خان جلدی جلدی پہاڑی سے اُترا اور ان کے پیچھے غار میں داخل ہو گیا، مگر پہلے دن کی طرح آج بھی غار خالی تھا۔ کسی ذی روح کا وہاں وجود نہ تھا۔

''یا اللہ! یہ انسان ہیں یا بھوت کہاں غائب ہو جاتے ہیں؟'' اکبر خان سوچتا ہوا اپنی بکریاں لے کے گاؤں آ گیا۔ ساری رات وہ یہ واقعہ نہ بھلا سکا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ یہ راز جان کر ہی چھوڑے گا۔

دوسرے دن اس نے اپنی بکریاں گاؤں کے ایک ساتھی کی نگرانی میں چھوڑیں اور غار میں آ کے چھپ گیا۔ دوپہر کے قریب اس نے دونوں کو غار میں داخل ہوتے دیکھا اکبر خان جلدی سے ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں ہو گیا اور جھری سے دیکھنے لگا وہ لوگ ٹارچ لیے غار کے ایک کونے کی طرف گئے اور ایک خفیہ بٹن دبا دیا گھڑ گھڑاہٹ کی آواز کے ساتھ غار کے فرش سے ایک پتھر

سرک گیا اور نیچے شگاف نظر آنے لگا۔ انھوں نے رسے کی مدد سے بکس شگاف سے نیچے لٹکا دیا۔ نیچے سے کسی نے بکس پکڑ کر کھول لیا۔ پھر ان دونوں نے کپڑے تبدیل کیے۔ اب وہ دونوں مچھیرے لگ رہے تھے۔ پھر وہ بھی رسے کی مدد سے نیچے اُتر گئے۔ اکبر خان نے پتھر کو پھر اپنی جگہ واپس آتے دیکھا۔ شاید کسی نے نیچے سے بٹن دبا دیا تھا۔ اکبر خان کچھ دیر وہیں چھپا رہا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ لوگ چلے گئے ہوں گے تو وہ اپنی پناہ گاہ سے نکلا اور غار کے کونے میں جا کر بٹن دبا دیا۔ گڑگڑاہٹ کی آواز سے پتھر اپنی جگہ سے سرک گیا۔ اکبر خان نے شگاف سے جھانکا تو نیچے دریا کا دھارا نظر آیا۔ اب ساری صورتِ حال اکبر خان کے سامنے روز روشن کی واضح ہو چکی تھی۔ یہ لوگ غیر قانونی طور پر کوئی چیز بکس میں چھپا کر لاتے تھے۔ ان کا تیسرا ساتھی جو شگاف کے نیچے کشتی لیے کھڑا ہوتا تھا وہ بکس وصول کر لیتا اور پھر تینوں مچھیروں کے روپ میں دریا پار اُتر جاتے۔

اس سہ پہر اکبر خان قریبی پولیس چوکی میں بیٹھا پولیس کے افسروں کو ساری صورتِ حال بتا رہا تھا۔ اگلے دن دونوں ملزم بکس لیے غار میں داخل ہوئے تو پولیس کا ایک دستہ ان کے استقبال کے لیے غار میں موجود تھا۔ تھوڑی مزاحمت کے بعد دونوں مجرموں کو گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس کے دوسرے دستے نے ملزموں کے تیسرے ساتھی کو بھی دریا کے کنارے سے گرفتار کر لیا۔

پولیس کی تفتیش سے پتا چلا کہ مجرم ہمسائے ملک کے تخریب کار تھے جو ملک میں دہشت گردی کی منصوبہ بندی کر رہے تھے اور دھماکا خیز مواد اور اسلحہ اپنے مقامی ساتھیوں کو غار کے شگاف کے راستے مچھیروں کے روپ میں پہنچا رہے تھے۔ ملکی سکوریٹی اداروں نے مجرموں کے مقامی سہولت کاروں کو بھی گرفتار کر کے تخریب کاری کا خطرناک منصوبہ ناکام بنا دیا۔ قانون کی مدد کرنے اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر تخریب کاروں کو پکڑوانے پر اکبر خان کو بہادری کے اعلا اعزاز سے نوازا گیا اور نقد انعام بھی دیا گیا۔

Press Ad

کچھوا ایک حیرت انگیز جانور

نسرین شاہین

کچھوا رینگنے والے جانوروں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ ایک جل تھلیا بھی ہے۔ جل تھلیے ان جانوروں کو کہتے ہیں جو پانی اور خشکی دونوں جگہ رہ سکتے ہیں۔ اس کے جسم کے اوپر ایک سخت خول ہوتا ہے، جو اسے دشمن سے بچاتا اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ جب کچھوا خطرہ محسوس کرتا ہے تو اپنی گردن فوراً خول کے اندر چھپا لیتا ہے، مگر بعض کچھوے اپنے سر اپنے خول کے اندر نہیں کر پاتے۔

کچھوا اس کرۂ ارض پر ۲۰ لاکھ سال سے بھی زیادہ عرصے سے موجود ہے۔ دوسرے رینگنے والے جانوروں کی طرح کچھوے بھی سرد خون والے جان دار ہیں۔

اس کی مادہ ایک وقت میں ۶۰ سے ۱۰۰ کے قریب انڈے دیتی ہے۔ ایک برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے بہت کم کچھوے زندہ رہ پاتے ہیں، کیوں کہ خشکی سے پانی تک کے مختصر سفر میں اکثر انھیں کیکڑے،

لومڑیاں، کتے اور شکاری پرندے اپنی خوراک بنا لیتے ہیں اور پھر سمندر میں پہنچنے کے بعد بھی خطرہ ٹلتا نہیں ہے، بڑی مچھلیاں انھیں کھا جاتی ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ بحری آلودگی، جہاز رانی، سمندر میں گیس اور تیل کی تلاش اور بہت سے ممالک میں بطور خوراک سمندری کچھوؤں کے استعمال نے ان کے لیے مشکلات کھڑی کر دی ہیں۔

اندازہ ہے کہ کچھوے کے نوزائیدہ بچوں میں سے صرف ایک فی صد ہی زندہ رہ پاتے ہوں گے۔ مادہ تیس سے چالیس سال کی عمر سے تقریباً ۷۰ برس تک انڈے دینے کے قابل رہتی ہے۔

دنیا میں سمندری کچھوؤں کی کل سات انواع پائی جاتی ہیں، جن میں سے دو پاکستانی اقسام بھی شامل ہیں۔ سمندری کچھوے کی ساتوں اقسام دنیا بھر میں انتہائی کم یاب ہو چکی ہیں۔ سمندری کچھوے دنیا کے ۸۰ سے زائد ممالک کے ساحلوں پر انڈے دینے جاتے ہیں، جن میں پاکستان بھی شامل ہے۔

کچھوے کی مادہ پاکستان میں سندھ اور بلوچستان کے ریتیلے ساحلوں پر ہر سال اگست سے دسمبر کے مہینوں میں انڈے دینے کے لیے آتی ہیں۔ ان ساحلوں میں سندھ میں ہاکس بے اور سینڈز پٹ جب کہ بلوچستان میں جیوانی، استولا آئی لینڈ اور مارا کے ساحل اور مبارک ویلج کا ایک چھوٹا سا علاقہ بھی شامل ہے۔

کچھوے اپنی زندگی میں ہزار یا کلومیٹر کا سفر طے کرتے ہیں اور جو مادہ جس ساحل پہ پیدا ہوتی ہے، انڈے دینے کے لیے بھی اسی ساحل پر آتی ہے۔ یہ راستے اسے کیسے یاد رہتے ہیں؟ سائنس دانوں کی اس سلسلے میں بڑی دل چسپ تحقیق ہے، جس کے مطابق مادہ کچھوا چار سال میں ایک بار انڈے دینے کے لیے ساحل پر آتی ہیں اور انڈے ریت میں دبا دیتی ہیں۔ جب انڈوں سے بچے نکلتے ہیں تو وہ سیدھے سمندر کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔ پانی میں داخل ہوتے ہی وہ ایک ایسے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں، جس کے دوران وہ ہزاروں کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتے ہیں۔

جب یہ بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو ان میں سے کچھویاں عین اسی جگہ واپس آتی ہیں جہاں وہ پیدا ہوئی تھیں، یہاں وہ انڈے دیتی ہیں۔ سمندری کچھوے راستے کیسے تلاش کرتے ہیں؟ تحقیق سے پتا چلا ہے کہ سمندری کچھوؤں کے دماغ میں پیدائش ہی سے ایک طرح کا مقناطیسی نقشہ ہوتا ہے۔ کچھوے زمین کے مقناطیسی میدان کی لہروں کی قوت اور رخ کو محسوس کرتے ہیں اور یوں ان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمندر میں کس جگہ پر ہیں اس خاص صلاحیت کی بہ دولت یہ ننھے منے کچھوے بحراوقیانوس میں اپنا راستہ تلاش کر لیتے ہیں۔ وہ دوسرے کچھوؤں کے پیچھے پیچھے نہیں جاتے بلکہ اپنا راستہ خود تلاش کرتے ہیں۔

ایک تازہ ترین تحقیق کے مطابق سمندر میں بہ ظاہر لہروں کے رحم و کرم پر دیکھے جانے والے چھوٹے کچھوے کے بچے اکثر دس برس کے لیے سمندر کی لہروں پر بے جان اشیاء کی طرح بے سمت سفر کرتے رہتے ہیں۔ کچھوے کے بچے بڑے مستعد تیراک ہوتے ہیں اور انھیں اپنا راستہ معلوم ہوتا ہے۔

کچھوے ہمارے ماحول کو متوازن رکھنے میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کا کام ہمارے ماحول میں موجود کیڑے مکوڑے اور سمندری گھاس اور پودے وغیرہ کو کھا کر ماحول کو متوازن رکھنا ہے۔ یہ پانی کے اندر مضر اشیا اور جراثیم کو بہ طور خوراک استعمال کرتے ہیں۔ جس سے پینے کا پانی مختلف بیماریاں پیدا کرنے کا باعث نہیں بنتا۔ اسے چاول کی کھڑی فصلوں میں بھی چھوڑا جاتا ہے۔ جب فصلوں میں کئی فیٹ تک پانی کھڑا ہوتا ہے۔ کچھوے کھڑے پانی کے کیڑوں کو طاقت ور ہونے سے باز رکھتے ہیں۔ پشت پر سخت خول کے علاوہ ایک خول کچھوے پیٹ پر بھی ہوتا ہے۔ یہ دونوں خول بے شمار ے ہڈیوں سے مل کر بنتے ہیں۔ کچھوے انٹارکٹیکا کے علاوہ دنیا کے تمام براعظموں پر پائے جاتے ہیں۔ گو کہ کچھوے سرد خون والے جان دار ہیں پھر بھی سرد موسم کی مناسب سے مطابقت پیدا کرنا ان کے لیے ناممکن ہے۔

نونہال مصوّر

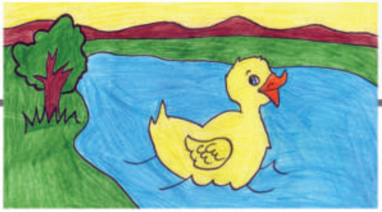

فاطمہ بختیار، کراچی

آمنہ توقیر، کراچی

سمیعہ توقیر، کراچی

عائشہ، کوٹری

صباء، کوٹری

حمنا محمد عقیل، کراچی

فیضان عمران، کوٹری

افزاء رضا، کراچی

محمد سعود مصطفیٰ، کراچی

فاطمہ ناہید، کراچی

شیخ محمد معاوید، کراچی

محمد سعد اللہ، حاصل پور

مصباح آصف، ڈیرہ نواب صاحب

کنز اریحان، کراچی

محمد چاند شیخ، کراچی

نیا عزم

ثمرین ملک

سر سعید جماعت میں ماحولیاتی آلودگی کے اسباب اور پودوں کی اہمیت پر لیکچر دے رہے تھے۔
مزمل بڑے غور سے سن رہا تھا۔اس نے لیکچر کے اہم نکات اپنے رجسٹر میں محفوظ کر لیے۔
سر سعید بچوں کو صرف لیکچر ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ انھیں عملی سرگرمیوں میں بھی شامل کرتے تھے۔اس طرح مزمل سمیت شرارتی بچوں کا ٹولہ اپنی توانائی مختلف مفید سرگرمیوں میں استعمال کرنے لگا۔
پچھلے ہفتے مزمل نے کھیل ہی کھیل میں اسکول کے باغیچے میں لگے پودے اُکھاڑ دیے تھے۔جب سر سعید نے پودوں کی اہمیت پر لیکچر دیا تو مزمل سمجھ گیا کہ قدرت نے اسے اپنی غلطی سدھارنے کا بہترین موقع دیا ہے۔
اگلے دن جب وہ اسکول آیا تو اپنے ساتھ کچھ پودے بھی لایا۔سر سعید کو اس کے اس ردِ عمل سے بے حد خوشی ہوئی۔وہ جماعت کے تمام بچوں کو اپنے ساتھ باغیچے میں لے گئے۔کسی نے زمین کی کھدائی کی، کسی نے صفائی کی، کوئی پانی کا ڈول بھر لایا۔اس طرح پوری جماعت مزمل کے لائے ہوئے پودے لگا کر نہال ہوگئی۔سب کے دل میں خوشی کی ایک نئی اُمنگ جاگ اُٹھی۔اب اس کارِ خیر میں دوسری جماعت کے طالب علم بھی حصہ لینے لگے۔سر سعید نے ان کی بھی حوصلہ افزائی کی۔
دوسرے دن اسمبلی کے بعد انھوں نے طالب علموں سے پوچھا کہ کیا وہ سب مل کر اتنے پودے جمع کر سکتے ہیں کہ انھیں سڑک کے کنارے لگا کر ایک نئی مہم چلائی جا سکے۔اس طرح پورا شہر سرسبز و شاداب ہو جائے گا، فضا صاف ستھری ہوگی، گرمی کی شدت میں کمی ہوگی۔
تمام بچوں نے سر سعید کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے ایک ولولے سے کہا کہ وہ سب انتظام کر لیں گے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے بھی ان تمام بچوں کی آنکھوں میں عزم اور اعتماد کی چمک دیکھی۔ان سب کے چہرے خوشی سے تمتمار ہے تھے۔سر سعید کا سر فخر سے بلند تھا۔

شکاگو میرا اگلا پڑاؤ

سفرنامۂ امریکا
سلیم مغل

نیو یارک، نیو جرسی اور پنسلو ینیا کے بعد میرا اگلا پڑاؤ شکا گو ہے۔ مشی گن جھیل کے کنارے آباد، ۲۷ لاکھ آبادی پر مشتمل اور ۲۳۷ ، اسکوائر میل پر محیط شکا گو امریکا کا تیسرا بڑا شہر ہے۔ شکا گو کا تعمیراتی حُسن دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ شہر کے بیچوں بیچ لہراتا، بَل کھاتا دریا شہر کے حُسن اور دلکشی کو کس قدر بڑھا دیتا ہے اسے دیکھ کر ہی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ دریا میں تیرتی ہوئی رنگ برنگی بوٹس، بوٹس میں بیٹھے ہوئے سیاّح، سیاحوں کے دمکتے چہرے اور چمکتی آنکھیں اس سرشاری کا پتا دیتی ہیں جو یہاں آنے سے ملتی ہے۔

608

103

عابد بھائی کہنے لگے: ''ہم پیدل نہیں چل پائیں گے، ٹورسٹ بس لے لیتے ہیں۔''

میں نے کہا: ''ہم پیدل ہی گھومیں گے۔''

کہنے لگے: ''شکاگو بہت بڑا ہے۔''

میں نے کہا: ''میری ہمت سے بڑا تو نہیں۔''

عابد بھائی نے آخر کار میری بات مانی۔ ٹورسٹ بس یا فیری لینے کے بجائے ہم نے پیدل چل پھر کر شکاگو دیکھنے کا مشکل فیصلہ کیا۔

میں نے آپ کو یہ تو بتایا ہی نہیں کہ شکاگو میں عابد بھائی میرے میزبان تھے۔ وہ موٹرولا میں بہ حیثیت انجینئر ملازم ہیں۔ نہایت بھلے انسان، ان کی اہلیہ اَدّی اسما مہمان نوازی کے حوالے سے ہم اہلِ سندھ سے بھی چند قدم آگے کھڑی نظر آتی ہیں۔ عابد بھائی کا ساتھ نہ ہوتا تو شکاگو مجھے کبھی اتنا اچھا نہ لگتا۔

یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہیے کہ امریکا کے ہر بڑے شہر میں ایک ''ڈاؤن ٹاؤن'' ضرور ہوتا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے ناں کہ ہر ڈاؤن ٹاؤن دراصل ''اپ ٹاؤن'' ہوتا ہے۔ بلند و بالا عمارات پر مشتمل، تجارتی سرگرمیوں کا مرکز، کارپوریٹ سیکٹر (بڑے تجارتی اداروں) کا محور اور تعمیراتی عجائبات کا سنگم۔ ڈاؤن ٹاؤن گھومتے ہوئے عابد بھائی نے بتایا کہ ''وہ جو سامنے ایک بلند قامت عمات نظر آ رہی ہے وہ امریکی صدر ٹرمپ کی ملکیت ہے۔'' ''کون سی عمارت؟'' میں نے پوچھا، ''وہ جو براؤن کلر کی ہے۔''

میری بات پہ عابد بھائی نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگے،

How it can be a brown?

He does'nt like brown, see the silver one.

کیا معنی خیز بات کی عابد بھائی نے، اگر آپ اس جملے کی تہ تک پہنچ گئے ہیں تو مجھے آپ کی ذہانت پر رشک آ رہا ہے، اور اگر نہیں پہنچے تو کسی کی مدد سے پہنچ جائیں۔ (مزہ نہ آئے تو پیسے واپس)

صبح سے شام تک چلتے رہے۔ شکاگو کی مشہور و معروف جگہیں دیکھتے رہے۔ تھک کے چُور ہو گئے، مگر کسی بھی موقع پر عابد بھائی کے سامنے میرے اندر کا مغل زادہ ہار ماننے کو تیار نہ ہوا۔

شکاگو بھی کیا شہر ہے! اپنی شناخت کے لیے، خوب صورت حوالے لیے ہوئے۔ ہر شناخت کے حوالے سے اس کا علاحدہ ایک نام ہے۔ کوئی اسے Windy City کہتا ہے تو کوئی City of Big Shoulder۔ شکاگو کا ایک نام City that Works بھی ہے۔

شکاگو کو امریکی سابق صدر اوران کی اہلیہ سے بھی ایک خاص نسبت ہے۔ اوباما یوں تو ہوائی کے رہنے والے ہیں، لیکن ان کی کالج اور یونی ورسٹی کی تعلیم شکاگو ہی میں مکمل ہوئی اور اب یہ وہیں کے باشندے سمجھے جاتے ہیں۔ مشعل کا تعلق بھی شکاگو سے ہے۔ یہ دونوں ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ بس ساتھ پڑھنا ہی غضب ہو گیا۔

اوباما نے صدارتی انتخابات جیتنے کے بعد اپنی پہلی تاریخی صدارتی تقریر اسی شہر کے گرانٹ پارک میں کی تھی۔ یہ دن واقعی امریکی تاریخ کا یادگار دن تھا جب ڈھائی لاکھ سے زیادہ افراد اس تقریر کو سننے کے لیے یہاں جمع ہوئے۔ گرانٹ پارک کے عین اس مقام پر جہاں اوباما نے کھڑے ہو کر تقریر کی تھی، میں بھی وہیں جا کھڑا ہوا، اچھا خاصا تقریر کا موڈ بھی بن گیا تھا، مگر کیا کیجیے کہ اس دن گرانٹ پارک میں حاضرین نہیں آ سکے! اب ظاہر ہے میں درختوں اور پھول پودوں سے تو مخاطب ہونے سے رہا۔ سو بس گرانٹ پارک اور وہاں کے گرینڈ فونٹین کو دیکھنے ہی پر اکتفا کیا۔

نیویارک اور امریکا سمیت دیگر شہروں کی طرح شکاگو کا ڈاؤن ٹاؤن بھی بلند و بالا عمارتوں کی ہیبت و جلال لیے ہوئے ہے۔ زمین پہ کھڑے ہو کر بالائی منزل کو دیکھنے کی کوشش کریں تو گردن پُشت

سے جا لگتی ہے۔ عمارتوں کی قامت کا دبدبہ اپنی جگہ، مگر عمارتوں کے اس جنگل میں نظم و ضبط، صفائی، ٹریفک کا نظام اور تجارتی یا معاشی سرگرمیاں بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ دنیا کے بڑے اور معروف ادارے اور ان کی یہ عظیم عمارتیں اپنے عقب میں قابل ترین لوگوں اور انجینئرنگ کے شعبے سے وابستہ غضب کے انجینئرز اور ان کی صلاحیتوں کا پتا دیتی ہیں۔

مجھے دنیا کی مشہور بوئنگ کمپنی کے علاوہ سی این بی سی اور انکل ٹرمپ کی عمارت کو بھی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ سب عمارات دیکھتے ہوئے میری اپنی حالت بھی اس پینڈو سے کچھ کم نہ تھی جو بتیاں دیکھنے گاؤں سے شہر آیا تھا۔

ان بہت سی عمارتوں میں ایک عمارت ایسی بھی تھی جو آج سے چند برس پہلے دنیا کی سب سے بلند عمارت ہونے کا اعزاز اپنے پاس رکھتی تھی۔ اس عمارت کا موجودہ نام Willis tower ہے جب کہ اس کا سابقہ اور معروف نام Sears tower ہے۔ ۱۴۵۶ فیٹ بلند ۱۰۳ منزلہ عمارت واقعتاً دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس غیر معمولی عمارت کا تخلیق کار ایک بنگلہ دیشی آرکیٹیکٹ انجینئر فضل الرحمٰن ہے جسے بڑے نمایاں حروف کے ساتھ اس عمارت کی دیوار پہ خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ ہماری نالائقیوں سے بنگلہ دیش نہ بنا ہوتا تو ہم آج کتنے فخر سے بتا رہے ہوتے کہ ''یہ عمارت ایک عظیم پاکستانی انجینئر کی تخلیق ہے۔'' واضح رہے کہ جن دنوں اس عمارت کی تعمیر ہوئی ان دنوں فضل الرحمٰن پاکستانی شہری تھے۔

دنیا بھر سے لوگ اس کی ایک سو تین ویں منزل تک آتے ہیں۔

دیر تک شکاگو اور مشی گن لیک کا نظارہ کرتے ہیں۔ غروبِ آفتاب کے حسین منظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بلندی سے پستی کی تصویریں بنا کر خوش ہوتے ہیں۔

بلندی سے پستیوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہونا بدقسمتی سے آج بھی بڑا انسانی المیہ ہے۔

شکاگو، کالوں، گوروں اور بُھوروں (گندمی) کا ملا جُلا شہر ہے۔ مسلمانوں اور خصوصاً پاکستانیوں کی جتنی بڑی تعداد یہاں آباد ہے شاید ہی امریکا کے کسی اور شہر میں ہو۔ شکاگو کے سرد موسم، بلکہ برف موسم کا بھی جواب نہیں۔ گزشتہ سردیوں میں برف باری اور سخت سردی کے حوالے سے شکاگو سیاچن کے قریب آن پہنچا تھا اور اس بار برف باری نے خود امریکی تاریک کے لیے ریکارڈ بنائے تھے۔ یہ موسم طول پکڑ جائے تو یہاں کی زندگی کافی سُست رو بلکہ سرد رو ہو جاتی ہے۔

شکاگو اپنی بعض شخصیات پر بھی فخر کرتا ہے۔ رابن ولیئم، ہیلری کلنٹن، مائیکل اوباما، ہیری سن فورڈ اور والٹ ڈزنی سمیت کئی اہم لوگوں کے نام ان معروف لوگوں میں شامل ہیں۔

....جاری ہے

گیدڑ بھبکی

سیما صدیقی

جنگل کی ننھی مخلوق کی طرف سے ایسی افراتفری اور اُچھل کود اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔ گلہریوں کا کام یوں تو ہر وقت پھدکتے رہنا ہے، مگر آج کا منظر کسی بڑے طوفان کی نشاندہی کر رہا تھا۔ گلہریوں کا ایک جتھا اخروٹ اور چھوٹے چھوٹے پتھر جمع کر رہا تھا، دوسرا گروہ درخت کی ٹہنیوں کو کاٹ کاٹ کر کمان کی شکل دے رہا تھا جیسے کسی پر تیر برسانے کی تیاری ہو۔ دور ایک درخت کی ٹہنی پہ بیٹھا ہوا ہُد ہُد کا جوڑا یہ منظر دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔ خدا خیر کرے! کچھ ہونے والا ہے، خرگوش نے بھی اپنے بچوں کو باہر نہ نکلنے کی ہدایت کی اور حالات کا جائزہ لینے لگا۔

جنگل کا پُرسکون اور خوب صورت ماحول پر اچانک خوف کے سائے کیسے پڑنے لگے، یہ سب کچھ آپ جان جائیں گے مگر ضروری ہے کہ آپ ان حالات کا پس منظر بھی جان لیں......

بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ ایک تھا گیدڑ، وہ جنگل میں اپنی بیوی اور بہت سارے بچوں کے ساتھ ایک غار میں رہتا تھا۔ ایک دن اس کی بیوی آٹھ اجنبی بچوں کے ساتھ غار میں آئی تو گیدڑ بولا: ''ارے! ارے...... ہمارے اپنے بچے کیا کم تھے جو تم انھیں بھی سمیٹ لائی، کون ہیں یہ اور کہاں سے آئے ہیں؟''

گیدڑ کی بیوی بولی: ''یہ میرے بھائی کے بچے ہیں، وہ شہر کی طرف نکلا ہے۔ کہہ کر گیا ہے کہ جلد واپس آ جائے گا۔ میں نے وعدہ کرلیا ہے کہ اس کے بچوں کا خیال رکھوں گی!''

''اوہ! یہ تو تم نے ایک نئی مصیبت پال لی!'' گیدڑ نے پریشان ہو کر کہا۔

''مصیبت کیسی؟ سب بچے سمجھ دار ہیں۔ اتنا چھوٹا کوئی نہیں، جسے عقاب اُٹھا لے جائے یا جسے سرنگ کھود کے چھپانا پڑے۔ یہ اپنی خوراک خود تلاش کر سکتے ہیں۔ ننھے خرگوشوں کو پکڑ سکتے ہیں۔ ہمیں کون سا باقاعدہ شکار کرنا ہوتا ہے؟ بڑے جانوروں کے شکار کا بچا کچا گوشت ہی کھانا ہوتا ہے نا...... یہ ہمارے پاس رہیں گے تو ہمارے بچوں کے ساتھ مل جل کر کھیلیں گے، گھومیں پھریں گے، ذرا رونق رہے گی۔'' گیدڑ کی بیوی نے ممتا سے بھرپور لہجے میں کہا۔

''مگر یہ تو سوچو کہ ''غار'' میں پہلے ہی ہمارے لیے جگہ تنگ ہے، بچوں کی یہ پوری فوج سوئے گی کہاں؟'' گیدڑ نے جھنجلا کر اعتراض اُٹھایا، مگر اپنی بات کہہ کر خود ہی سوچ میں گم ہو گیا اور پھر بولا: ''فوج سے مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ ہم ان سارے بچوں کی ایک فوج بنا لیں، جو آس پاس رہنے والے دوسرے جانوروں کو ڈرانے کے کام آئے۔''

''کیا مطلب؟'' گیدڑ کی بیوی حیران ہو کر بولی۔

''دیکھو! ہمارے غار کے برابر میں یہ پانچ گھنے درخت ہیں، جن پہ ''بی گلہری'' کے پانچ خاندانوں نے لکڑی کُتر کُتر کر بڑے زبردست گھر بنائے ہوئے ہیں، کیوں نہ ہم اپنی فوج سے انھیں ڈرا دھمکا کر ان سے یہ درخت خالی کرالیں اور اپنے غار میں ان کی جڑوں کی جگہ کو بھی شامل کرلیں!''

''دیکھو لو! کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں، اپنے ہی بچوں کو لڑائی بھڑائی میں جھونکنا کوئی عقل کی بات تو نہیں؟'' گیدڑ کی بیوی پریشان ہوکر بولی۔

''ارے! تم ڈرو نہیں، میں سچ مچ لڑنے نہیں جا رہا، میں تو صرف رعب جما کر اور اپنی طاقت دکھا کر ہی کام نکال لوں گا۔ تم دیکھتی جاؤ۔''

اپنے پانچ خاندانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے والی ''بی گلہری'' بڑی ہی معصوم اور پیاری سی تھی۔ ہمیشہ صاف ستھری رہتی، صبح صبح اپنے گھر سے نکلتی۔ گھومتی پھرتی، درختوں کے جنگلی پھل کتر کتر کر کھاتی۔ ایک درخت سے دوسرے پہ چھلانگیں لگاتی اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ خوب کھیلتی۔ اس کی موٹی سی دُم جب تیزی سے حرکت کرتی تو بہت اچھی لگتی۔ شام کا اندھیرا چھانے لگتا تو واپس اپنے گھر آ جاتی۔ گیدڑ سارا دن اپنے غار میں سوتا اور عموماً غروبِ آفتاب کے وقت گھر سے نکلتا۔ اس شام جب گلہری واپس آئی تو دھک سے رہ گئی۔ ایک میلا سا غلیظ گیدڑ اس کے گھر کے عین سامنے کھڑا تھا اور اس کے پیچھے چھوٹے بڑے بے شمار بچے تھے۔ گویا یہ گیدڑوں کی ایک فوج تھی۔

گلہری کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا، کسی انجانے خطرے نے اسے پریشان کر دیا۔ ہمت کر بولی:
''کیا بات ہے گیدڑ بھیا! آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں کیا مجھ سے کوئی کام تھا؟''

''ہاں!'' گیدڑ نے جان بوجھ کر اپنے حلق سے ایک دہشت ناک سی آواز نکالی اور بولا: گلہری! میں یہ کہنے آیا ہوں کہ میرے غار کے بالکل برابر والا درخت فوراً خالی کردو۔ اس کی جڑیں میرے گھر تک پہنچ گئی ہیں اور اسے نقصان پہنچا رہی ہیں، ہمیں اس کو گرانا پڑے گا۔''

''مم......مگر......ان درختوں پہ تو میرے پانچ خاندان آباد ہیں۔ ہم برسوں سے یہاں رہ رہے ہیں اور بڑی محنت سے ان میں اپنے ٹھکانے بنائے ہیں۔ ہم نے کبھی کسی پڑوسی کو تنگ نہیں کیا...... پھر......؟'' گلہری پریشان ہو کر ہکلانے لگی۔

''بات تمھاری سمجھ میں نہیں آئی۔ تم نے میرے پیچھے میری فوج نہیں دیکھی، ایک اشارہ کر دوں تو یہ تم سمیت تمھارے خاندان کو اُٹھا کر جنگل سے باہر پھینک دے گی۔ کیا سمجھیں؟ شرافت سے کہہ رہا ہوں کل تک یہ درخت خالی کر دو، ورنہ ہم تمھارے گھر میں گھس کر تمھیں بھگا دیں گے۔'' گیدڑ نے خوف ناک لہجے میں دھمکی دی۔

گلہری پریشان ہو کر بولی: ''ٹھیک ہے، میں اپنے خاندان سے مشورہ کر کے بتاتی ہوں۔''

گلہری مڑی تو گیدڑ جلدی سے بولا: ''مشورے کی ضرورت نہیں، ہمارے برابر والے درخت پہ تمھارا جو بھائی رہتا ہے، ہم نے اس سے بات کر لی ہے۔ بس اب تم لوگ اپنا سامان سمیٹ لو!''

''اور اگر میں ایسا نہ کروں تو؟'' گلہری نے ہمت کر کے کہا۔

گیدڑ نے اپنے پیچھے کھڑی فوج کو اشارہ کیا۔ وہ سب کے سب دانت نکالے، ایک قدم آگے بڑھے۔ گلہری گھبرا کر بولی: ''اچھا اچھا! رکو...... میں اپنے بھائی سے کہتی ہوں کہ وہ سامان سمیٹ لے۔'' گلہری کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

کافی عرصہ گزر گیا۔ گیدڑ اور اس کے بچے اسی غار میں رہتے رہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ گیدڑ کے گھر میں ان کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ گیدڑ کی بیوی کا وہ بھائی جس نے شہر کا رُخ کیا تھا، وہ کسی شکاری کے ہاتھوں مارا گیا اور واپس نہ آیا۔ گیدڑ کے اپنے بچے بھی اب شادی شدہ اور بچوں والے تھے۔ غار میں جگہ تنگ ہونے لگی تو اس نے سوچا، گلہری کے پانچ گھروں میں سے ایک پر تو قبضہ کر لیا تھا، اب اس سے ایک اور گھر چھین لینا چاہیے، اگر اسے گرا کر اس کا علاقہ بھی اپنے غار

میں شامل کرلیا جائے تو ہمارا گھر مزید بڑا ہو جائے گا۔

گیدڑ کے بچے خرگوشوں کا شکار کر کے لائے تھے اور اب اس کے مزے اُڑا رہے تھے۔

گیدڑ نے اپنی فوج سے کہا: ''چلو، چل کر گلہری کو دھمکاتے ہیں اور اس سے گھر خالی کراتے ہیں!''

گیدڑ کے خاندان کے سب ہی جانور گھر میں پڑے پڑے آرام طلب ہو گئے تھے، صرف کھاتے اور سوتے تھے۔ ان میں سے ایک سُستی سے جمائی لے کر بولا: ''ہمیں جانے کی ضرورت نہیں۔ گلہری کو معلوم ہے کہ ہم تعداد میں کتنے ہیں اور کس قدر طاقت ور ہیں۔ آپ جا کر ویسے ہی اس سے گھر خالی کرنے کا مطالبہ کر دیں۔ بس اتنا کہہ دیں کہ اگر درخت خالی نہ کیا تو ہم انھیں ان کے گھر میں گھس کر ماریں گے۔''

کچھ دیر تو گیدڑ نے انھیں ساتھ لے جانے پر اصرار کیا، پھر اپنے نکمے بچوں کو بُرا بھلا کہتا ہوا نکلا اور گلہری کے گھر جا پہنچا۔ چہرہ فضا میں بلند کر کے اس نے ایک خوف ناک چیخ ماری تو گلہری باہر آ گئی، کہنے لگی: ''کیا بات ہے؟ کیوں چلّا رہے ہو؟''

گیدڑ بولا: ''بی گلہری! تمھارے چوتھے گھر کی جڑیں اب ہمارے غار تک پہنچ رہی ہیں، بچے نیچے سوتے ہیں تو جڑیں انھیں زخمی کر دیتی ہیں...... ہمیں یہ گھر بھی گرانا ہوگا۔''

گیدڑ کی دھمکی سن کر گلہری بولی: ''کیا...... کیا کہہ رہے ہو......! پہلے بھی تم ڈرا دھمکا کر ہمارا ایک گھر چھین چکے ہو، بعد میں ہم بہت پچھتائے تھے کہ اگر ہم تمھارے کہنے میں نہ آتے اور مل کر ہمت سے مقابلہ کرتے تو تم کبھی کام یاب نہ ہو پاتے، مگر اب تم مزید ہمارا کوئی گھر نہیں گرا سکتے، سمجھ گئے۔''

''کیوں ...... کیوں نہیں گرا سکتے؟ ابھی میں اپنی فوج کو آواز دیتا ہوں ایک پکار پہ وہ نکلیں گے اور تمھارے گھر پہ حملہ کر دیں گے۔ تم لوگوں کو بھاگنے کی بھی مہلت نہیں ملے گی!''

گلہری نے ایک گہری سانس لی اور نعرہ لگانے والے انداز میں بولی: ''ہاں! جاؤ بلالو اپنی فوج کو۔''
گلہری کا نعرہ سن کر چھوٹی بڑی ساری گلہریاں نکل کر باہر آ گئیں۔

''بی گلہری! سوچ لو......تم خواہ مخواہ ضد کر کے اپنے ساتھ ان سب کو بھی مروا دو گی۔'' گیدڑ نے پھر دھمکی دی۔

''جاؤ میاں گیدڑ جاؤ! یہ گیدڑ بھبکیاں کسی اور کو دینا۔ ان چاروں درختوں میں موجود ہمارا کوئی بھی کنبہ تمھیں گھر دینے کو تیار نہیں۔ ہمت ہے تو بلالو اپنی فوج کو۔''

گیدڑ، گلہری کی ہمت دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا، پھر سنبھل کر بولا: تم سمجھتی کیوں نہیں، خدا نے تجھے معمولی، نکما اور چھوٹا بنایا ہے اور مجھے طاقت ور اور شان دار......! طاقت ور حکمرانی کرتا ہے اسے جس چیز کی ضرورت ہو چھین لیتا ہے۔''

کہا یہ سن کر گلہری نے منھ سنبھال ذرا
یہ کچی باتیں ہیں دل سے انھیں نکال ذرا
جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا
نہیں ہے تو بھی تو آخر میری طرح چھوٹا
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کا حکم ہے
بڑا جہاں میں تجھ کو بنا دیا اس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اس نے

گلہری بڑے پُر جوش انداز میں بولتی چلی گئی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ تم ہمیں ہمارے گھر میں گھس کر مار ہی نہیں سکتے، کیوں کہ تم درخت پر چڑھنا ہی نہیں جانتے۔''

گیدڑ، گلہری کے منھ سے عقل کی باتیں سن کر حیران رہ گیا۔ پھر بولا: ''آخری بار پوچھ رہا ہوں، گھر خالی کرتی ہو یا بلالوں اپنی بہادر فوج کو...... ہماری ایک ٹکر سے ہی تمھارا گھر جڑ سے اُکھڑ کر نیچے آ گرے گا۔''

گیدڑ دھمکی آمیز لہجے میں بات کر رہا تھا۔ غصّے سے اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔ گیدڑ اور گلہری کی یہ نوک جھونک سن کر جنگل کے دوسرے جانور بھی وہاں پہنچ گئے۔ کچھ نے کہا کہ گیدڑ کا مطالبہ غلط نہیں، وہ ٹھیک کہہ رہا ہے اور کچھ جانور گلہری کا ساتھ دینے پہ آمادہ ہو گئے۔ گلہری نے اطمینان بھری گہری سانس لی اور ڈٹ کر بولی: ''ہمت ہے تو بلا لو اپنی فوج کو......''

گیدڑ گڑ بڑا سا گیا...... پیچھے مڑ کر اپنی فوج کو آواز دی: ''آ جاؤ میرے شیرو! دلیرو! غار سے نکلو اور حملہ کر دو......ان بے وقوف گلہریوں پر جن کو اپنی جان پیاری نہیں۔''

تین بار آوازیں دینے پہ بھی جب فوج باہر نہ نکلی تو گیدڑ شرمندہ سا ہو گیا، پھر سنبھل کر بولا: ''آج رات کسی وقت حملہ ہو گا...... تمھیں مہلت دے رہا ہوں۔ گھر چھوڑ دو یا مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

گیدڑ غار میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ باہر کے ہنگامے سے بے خبر اس کے بیوی سمیت سارے کے سارے گیدڑ، مزے کی نیند سو رہے ہیں۔ گیدڑ نے بڑی آوازیں دیں۔ انھیں جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگایا، مگر وہ نہ اُٹھے۔ خرگوش کا ذائقہ دار گوشت کھا کر سب خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ گیدڑ خود بھی غار کے ایک کونے میں دُبک کے بیٹھ گیا اور مایوسی سے سوچنے لگا: ''اب ہمیں خود ہی اپنا ٹھکانا کہیں اور بنانا ہو گا۔ اب وہ بے چارہ یہاں رہ کر گلہری سے آنکھ ملا بھی کیسے سکتا تھا!

آدھی ملاقات

شاملِ اشاعت بیشتر خطوط ہمدرد نونہال مئی ۲۰۱۹ء سے متعلق ہیں

مئی کے شمارے میں جاگو جگاؤ (شہید حکیم محمد سعید)، پہلی بات (سلیم فرخی)، حمد (ایمن یاسین آرزو) روشن خیالات، روزہ رکھنے سے پہلے (نسرین شاہین)، علم دریچے (نونہال لکھاری) بہت بہترین رہے، جب کہ کہانیوں میں انسان دوست، تاشقند کا لکڑہارا اور سپر بوائے پہلے، دوسرے اور تیسرے نمبر پر رہیں۔ نام بوجھیے کا سلسلہ تو بہت معلوماتی اور مفید ہے۔ ہم اپنے اسکول اور کالج کی لائبریریوں کی استانی صاحبہ سے بھی مدد لیتے ہیں اور بزرگوں سے بھی پوچھتے ہیں۔ نام بوجھیے خاصا مشکل ہوتا ہے، اس لیے انکل پلیز درست بتانے والے کو کتاب کا انعام تو ضرور دیا کیجیے۔ نظموں میں ''پہلا روزہ، آج میں روزے سے ہوں اور آم'' فرسٹ، سیکنڈ، تھرڈ رہیں۔ لطیفے سارے مزیدار ہیں اور ہنڈکلیا تو تھا ہی نہیں اس بار۔

سیدہ ناہید نرگس، کراچی۔

مئی کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ بلاعنوان کہانی بہت اچھی تھی۔ گھر کا بھوت اور انسان دوست بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ ہنسی گھر پڑھ کر بڑا مزہ آیا۔

نرین بانو سلیم الدین، حیدر آباد۔

شمارہ مئی بہترین تھا۔ کہانیوں میں انسان دوست (محمد ضرغام حمید) اور جھوٹی عزت (انوار آس محمد) پسند آئیں۔ انکل! ازارہِ کرم ''برائے مہربانی اور'' براہِ مہربانی''میں سے درست کی نشان دہی فرما دیں۔

صالحہ کریم، کراچی۔

> برائے کا مطلب ہے واسطے/لیے جب کہ بَراہ میں بَ کا مطلب ساتھ اور راہ یعنی راستہ۔ بَراہِ مہربانی زیادہ مناسب ہے۔

ماشا اللہ! مئی کا شمارہ اچھا تھا۔ میں اُسے بہترین تو نہیں کہہ سکتا، کیوں کہ ہمیشہ کی طرح اس بار وہ مزہ نہیں آیا جو پہلے آتا تھا۔

شاکر اللہ، کیماڑی، کراچی۔

مئی کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ سرورق پر پیغام لکھا ہوا تھا۔ اس مہینے کا خیال پسند آیا۔ روشن خیالات مجھے بہت پسند ہیں۔ حمدِ باری تعالیٰ پڑھی۔ مشینی خواب، انسان دوست اور مریخ کے مسافر مجھے بہت پسند آئیں۔ مسکراتی لکیروں کے دوبارہ شائع ہونے پر مسرت محسوس ہوئی، ہنسی گھر خاص نہیں تھا۔

سدرہ نور چشتی، ڈیرہ غازی خان۔

مئی کا شمارہ صرف اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ پڑھ کر مزہ آیا۔ مئی کے شمارے میں تاشقند کا لکڑ ہارا، گھر کا بھوت، مشینی خواب، مریخ کے مسافر اچھی تھیں۔

محمد حسان رضا سومرو، میر پور خاص۔

مئی کے شمارے میں تقریباً ساری کہانیاں پسند آئیں۔ تاشقند کا لکڑ ہارا، ٹاپ پر تھی۔ مشینی خواب اور بلاعنوان کہانی پسند آئی۔ مریخ کے مسافر، نصابی کتاب سے لی گئی تھی۔ جدید انٹرویو پڑھ کر ہنسی آئی۔ نظمیں ساری ہی اچھی تھیں۔ نام بوجھیے والا سلسلہ بہت زبردست اور منفرد ہے۔ مجموعی طور پر رسالہ شان دار تھا۔

علی حیدر، جھنگ صدر۔

مئی کا شمارہ بہت اچھا تھا اور بلاعنوان بھی بہت پسند آیا۔ جاگو جگاؤ ہر بار کی طرح بہترین تھا۔ معلومات افزا سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ مشینی خواب کوئی خاص نہیں تھا۔ ہنسی گھر پڑھ کر بہت مزہ آیا۔

فاطمہ توقیر، کراچی۔

مئی کا شمارہ اچھا تھا۔ کہانیوں میں انسان دوست، تاشقند کا لکڑ ہارا، مشینی خواب اور گھر کا بھوت اچھی تھیں۔ نظموں میں پہلا روزہ اور آج میں روزے سے ہوں اچھی تھیں۔ جدید انٹرویو بھی خوب صورت تحریر تھی۔ لطیفے خاص نہیں تھے۔

ہمدرد نونہال بہت اچھا رسالہ ہے اور مئی کا شمارہ تو بہت اچھا رہا۔ ساری کہانیاں لاجواب تھیں۔ ہنسی گھر پڑھ کر تو مزہ آیا۔ انکل! نونہال لغت کافی اچھا سلسلہ ہے۔ کیا یہ کتابی شکل میں شائع ہو سکتا ہے؟

عبیرہ ناصر، کراچی۔

آپ کے توجہ دلانے پر اس بارے میں غور کیا جا سکتا ہے۔

انیقہ عبدالجبار، کراچی۔

اس بار کا شمارہ تو سپر ہٹ رہا۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات نے معلومات دماغ میں بٹھا دیں۔ حمدِ باری تعالیٰ اور روشن خیالات نے بھی معلومات میں اضافہ کیا۔ اقوالِ شیخ سعدیؒ زبردست تھیں۔ علم دریچے ہر بار کی طرح اس بار بھی خوب صورت لفظوں میں سجایا گیا تھا۔ نام بوجھیے سے معلومات تو حاصل ہوئیں پر نام نہیں معلوم ہو سکا۔ کہانیوں میں تو سب ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ انسان دوست اور گھر کا بھوت اچھی کہانیاں تھیں۔ پر تاشقند کا لکڑ ہارا تو اپنی مثال آپ تھی۔ بلاعنوان پڑھ کر نام سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ مشینی خواب کچھ خاص نہیں تھی، البتہ مریخ کے مسافر اچھی تھی۔ نظمیں تو ساری زبردست تھیں اور تمام مضامین اپنی مثال آپ تھے۔ غرض کہ پورا شمارہ خاص تھا۔

خنسہ محمد عقیل شاہ، لیاری کراچی۔

اس ماہ کا شمارہ بھی بہت زبردست ہے۔ تمام کہانیاں پہلے کے مقابلے میں بہت اچھی اور دل چسپ تھیں اور جاگو جگاؤ، پہلی بات پڑھ کر معلومات میں بھی اضافہ ہوا اور کچھ نیا سیکھنے کو بھی ملا اور تمام نظمیں بھی اپنی مثال آپ تھیں اور بہت بہترین تھیں۔ تمام معلوماتی تحریروں نے بھی ہماری معلومات میں اضافہ کیا۔ یہاں تک کہ پورا شمارہ بہترین اور زبردست تھا۔

رقیہ محمد عقیل شاہ، لیاری کراچی۔

سرورق پر موجود بچی بہت ہی پیاری تھی اور سرورق کی طرح پورا شمارہ ہی دل کو چھو لینے والا تھا۔ کہانیوں میں انسان دوست (محمد ضرغام حمید)، تاشقند کا لکڑ ہارا (معراج)، گھر کا بھوت (مہ جبیں تاج ارزانی)، مشینی خواب (مہرین فاطمہ)، مریخ کے مسافر (حسام عباس) اور بلاعنوان کہانی (عاصمہ فرحین) سب ہی اپنی جگہ خوب صورت تخلیقات ہونے کی وجہ سے بہت ہی زبردست تھیں۔ ''عجیب عجیب درخت'' پڑھ کر تو معلومات میں بہت اضافہ ہوا۔ غرض کہ مئی کا شمارہ سرورق سے لے کر نونہال لغت تک اپنی مثال آپ تھا۔

حمنہ محمد عقیل شاہ، لیاری کراچی۔

یہ میرا پہلا خط ہے۔ کہانیوں میں تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ سب سے زیادہ بلاعنوان انعامی کہانی اچھی لگی۔ ہنسی گھر پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ باقی پورا رسالہ زبردست تھا۔ کیا میں مختصر سی تحریر بھیج سکتی ہوں؟

اسماء خان، میر پور خاص۔

ضرور بھیجیں، لیکن نئی اور دل چسپ ہو۔

مئی کے شمارے میں بھی کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ اب رسالے میں نئی تبدیلیاں دیکھنے کو مل رہی ہیں، اچھی بات ہے۔ کسی بھی شعبے میں تھوڑی بہت تبدیلی اچھے نتائج دیتی ہے۔ بہ ہر حال گھر کا بھوت، مریخ کے مسافر اور جھوٹی عزت لاجواب کہانیاں تھیں۔ پہلا روزہ، آم اور کام کی باتیں بہترین نظمیں تھیں۔ لطائف بھی اچھے تھے۔ مضامین عجیب عجیب درخت، گھریلو لائبریری اور مچھلیاں ہی مچھلیاں معلومات سے بھر پور تحریریں تھیں۔ غرض پورا رسالہ سپر ہٹ تھا۔

اصبح احمد، آزاد کشمیر۔

مئی کا شمارہ زبردست تھا۔ جاگو جگاؤ سے اچھا سبق حاصل ہوا۔ بلاعنوان کہانی شمارے کی سب سے اچھی کہانی لگی۔ انسان دوست، تاشقند کا لکڑ ہارا اور گھر کا بھوت بہت اچھی سبق آموز کہانیاں

تھیں۔ مشینی خواب اور مریخ کے مسافر بھی بہترین کہانیاں تھیں۔ نظم آج میں روزے سے ہوں بہت پسند آئی۔ لطائف مزے دار تھے۔ معلومات بھی زیادہ تھیں۔ جدید انٹرویو پڑھ کر ہنسی آئی۔ نونہال مصور میں سب تصاویر اچھی تھیں۔ غرض شمارہ بہت پسند آیا۔

محمد احمد اسلم، کراچی۔

جیسا معیار بچوں کے اس رسالے کا ہے وہ کسی اور بچوں کے رسالے کا نہیں ہے۔ اپریل، مئی کے شمارے میں اپنی تحریر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تمام کہانیاں، نظمیں کمال کی تھیں اور خاص کر تاشقند کا لکڑ ہارا ، بلاعنوان ، جھوٹی عزت، عجیب عجیب درخت پڑھ کر تو مزہ ہی آ گیا۔

محمد جنید راؤ سرفراز، کراچی۔

مئی کا شمارہ ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا۔ مشینی خواب، گھر کا بھوت اور تاشقند کا لکڑ ہارا لاجواب کہانیاں تھیں۔ مریخ کے مسافر پڑھ کر زمین کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ ہنسی گھر زبردست تھا۔ روزہ رکھنے سے پہلے بہت دل چسپ تحریر تھی۔ گھریلو لائبریری کو پڑھ کر میں بھی اپنے گھر میں لائبریری بنا رہی ہوں۔ عالمی معلومات پڑھ کر کافی معلومات ملی۔ سرورق بھی بہت تھا۔

سیدہ تسبیح محفوظ علی، کراچی۔

اس ماہ خاص نمبر نہیں آیا۔ دل اُداس ہو گیا، مگر جب رسالہ پڑھنا شروع کیا تو سارا غصہ جاتا رہا۔ بلاعنوان انعامی کہانی کی تو کیا ہی بات تھی۔ نظم پہلا روزہ بے حد پسند آئی قصہ مختصر صفحۂ اول تا آخر رسالہ بے حد شان دار، عمدہ اور لاجواب تھا۔

سیدہ کلثوم فاطمہ، کراچی۔

مجھے سب سے اچھی کہانی تاشقند کا لکڑ ہارا لگی۔ باقی سب کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ مریخ کے مسافر بالکل بھی اچھی نہیں لگی۔ مضامین میں مچھلیاں ہی مچھلیاں اور عجیب عجیب درخت پسند آئے۔

ارفع زینب چشتی، ڈیرہ غازی خان۔

تاشقند کا لکڑ ہارا، گھر کا بھوت اور مریخ کے مسافر اس شمارے کی بہترین تحاریر تھیں۔

حافظ فرقان عبدالرحمٰن، اسلام آباد۔

مئی کا شمارہ انتہائی شان دار تھا۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات پڑھی۔ شیخ سعدیؒ کے اقوال بڑے حیران کن تھے۔ کہانیوں میں بلاعنوان کہانی، مریخ کے مسافر، مشینی خواب، بھاری تحفہ پسند آئیں غرض پورا رسالہ بہترین تھا اور ہاں! تاشقند کا لکڑ ہارا نے شمارے کو چار چاند لگا دیے۔ روشن خیالات میں حکیم لقمان کا خیال زبردست تھا۔

سہیل احمد نیاز، کراچی۔

بلی کا بچہ

ساقی فاروقی

بلی کا بچہ
چوہوں کا چچا
آنگن میں بیٹھے
مونچھوں کو اینٹھے
آنکھیں نچائے
نتھنے پھلائے
دم کو ہلائے
وہ دیکھو نکلا
موٹا سا چوہا
بلی کا بچہ
چوہوں کا چچا

دھیرے سے رپٹا
چوہے پہ جھپٹا
دانتوں سے کاٹا
ٹکڑوں میں بانٹا
قیمہ بنایا
ہنس ہنس کے کھایا
ہونٹوں کو چاٹا
پھر بولا ''ہاہا''
بلی کا بچہ
چوہوں کا چچا

کارگرتدبیر

رمشا جاوید

وقار آرام کرسی پر بیٹھا قلم انگلیوں میں گھماتے ہوئے بند دروازے کو گھور رہا تھا۔اس کی پیشانی پر پڑے بَل اور گہری خاموشی اس چھوٹے ،مگر پر آسایش کمرے کو پُر اسرار بنا رہی تھی ۔اس کا ذہن ان باتوں پر اُلجھا ہوا تھا جو ابھی چند لمحے قبل اس کمرے میں ہوئی تھیں ۔

''ماسٹر صاحب آپ میری پہنچ سے واقف نہیں ہیں ۔آپ کو ہر حال میں میرے بیٹے کو نمبرز دینے ہوں گے ۔'' سلمان صاحب مٹھّیاں شیشے کی میز پر مارتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے ۔

جاتے جاتے وہ ایک بار پھر مڑے اور ایک ابرو اُٹھا کر تنبیہ کرتے ہوئے بولے :''بہت پچھتاؤ گے ماسٹر !اچھی طرح سوچ لو ۔'' اور زور سے دروازہ بند کر کے باہر نکل گئے ۔کمرا اے سی کی وجہ

سے ٹھنڈا ہو رہا تھا اور موتیے کی دھیمی خوشبو کمرے کو معطر کر رہی تھی۔ اس کے باوجود وقار نے گلے سے ٹائی کو کھینچ کر ڈھیلا کیا اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ کرسی پر ٹیک لگاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو پیچھے لے جا کر اس نے ان کا تکیہ سا بنایا اور اس پر سر رکھ کر چھت پر بنی پینٹنگ کو دیکھنے لگا۔ اس کا ذہن بہت تیزی سے پیچھے کی جانب جانے لگا بہت پیچھے ایک منظر پر آ کر وہ ٹھہر گیا۔

وقار محض چار پانچ سال کا تھا جب کار کے ایک حادثے میں اس کے والدین اس دنیا سے چلے گئے تھے۔ وقار کی پرورش اس کی خالہ نے بڑی محبت سے کی۔ اچھا پہنایا اور اچھا پڑھایا۔ وقار پڑھائی میں بہت اچھا تو نہیں تھا بس وہ جیسے تیسے پاس ہو جایا کرتا تھا۔ کھیلوں اور دوسری سرگرمیوں میں اس نے کبھی حصہ نہیں لیا، پھر جب وہ انٹر کا امتحان دے کر گھر لوٹا تو گھر کے باہر لوگوں کا ہجوم دیکھ کر اس کا دل بند ہونے لگا۔ وہ بھاگ کر لوگوں کو ہٹاتا ہوا بڑی مشکلوں سے گھر کے نزدیک آیا تو دھک سے رہ گیا۔ اس کا گھر جل چکا تھا، گھر میں آگ کس طرح لگی، کوئی اسے بتا رہا تھا، لیکن وقار کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ اسے سہارا دینے والے اس دنیا سے جا چکے تھے۔

''سر آپ سے علی صاحب ملنے آئے ہیں۔'' چوکیدار نے کمرے کا دروازہ کھول کر اسے اطلاع دی تو وہ اپنے ماضی سے حال میں لوٹ آیا۔

''آں...... ہاں...... اندر بھیجو اسے۔'' وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ علی ہی تو تھا جس نے خالہ، خالو کے بعد اسے سہارا دیا تھا اور اسے اپنے گھر لے آیا تھا، جلد ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک تیس سال کا خوش شکل نوجوان اندر داخل ہوا۔ بلو جینز پر بلیک ٹی شرٹ پہنے۔ بالوں کو سامنے سے کھڑا کیے چوڑی پیشانی اور مسکراتی آنکھوں سے اس نے وقار کو سر کے خم سے سلام کیا اور سامنے کی کرسی کھینچ کر ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھ گیا۔

''آپ نے مجھے یاد کیا...... ماسٹر جی!'' وہ اچھے موڈ میں لگ رہا تھا۔

''ہاں سلمان صاحب آئے تھے وہ اپنے بیٹے اسد کے پیپر میں نمبرز بڑھانے کی بات کر رہے تھے

میں نے انکار کیا تو سنگین نتائج کی دھمکیاں دے کر گئے ہیں۔ وقار نے ایک ہی سانس میں سارا مسئلہ علی کے گوش گزار کر دیا۔ وقار کی بات پر علی کے ماتھے پر ایک دم کئی بَل نظر آئے۔

''اسد......وہ نکما سا لڑکا؟''

''ہاں وہی، ہر پیپر میں فیل ہے اب میں اسے کیسے نمبر دے سکتا ہوں؟ اور سلمان صاحب کا کہنا ہے میں اسے پوری کلاس میں پہلی پوزیشن دے دوں ورنہ ان کی خاندان میں ناک کٹ جائے گی۔'' وقار کی پریشانی عروج پر تھی۔

''پریشانیوں میں گھبرانے سے پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں یہ مت سوچا کرو کہ ''اب کیا ہوگا'' بلکہ یہ سوچا کرو کہ ''اب کیا کرنا ہے۔''

''سلمان صاحب کے تعلقات بہت ہیں علی! وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں، میرا اسکول بند کروا سکتے ہیں، میری ساکھ تباہ کر سکتے ہیں، جانتے ہو یہ میرا مستقبل ہے جو میں نے بڑی محنت سے بنایا ہے۔

''جب میں بچہ تھا تو میرے ماں باپ کو مجھ سے چھین لیا گیا، بڑا ہوا تو محبت کرنے والے خالہ خالو کو بھی اپنے پاس بلا لیا اور تو کوئی تھا نہیں میرا۔ رشتے داروں نے تو والدین کی وفات کے بعد سے ہی منھ موڑ لیا تھا پھر تم میرے لیے فرشتہ بن گئے اور اپنے گھر لے گئے، تمھارے والد کی کوششوں سے خالو کے بینک اکاونٹ کی رقم حاصل کی، پھر میں ٹیوشن پڑھاتا رہا اپنی تعلیم مکمل کی، چھوٹا سا گھر خریدا تمھارے مشورے پر، اسے کرائے پر چڑھایا اور خود ایک کمرے میں رہنے لگا۔ ابھی تو اس اسکول کی بنیاد ہی رکھی تھی، چلنے سے پہلے ہی یہ مشکل آن پڑی۔'' وقار تھک کر کرسی پر گر سا گیا۔

''تمھارے کمرے میں سی سی ٹی وی کیمرہ موجود ہے؟'' علی نے اس سے سوال پوچھا تو وقار جو اپنی بےبسی کی داستان سنا کر کچھ الگ سا سننے کا منتظر تھا حیرت سے اسے دیکھنے لگا: ''ہاں موجود ہے۔''

''ایک رات جیل میں گزار لو گے؟'' علی نے دوسرا سوال پوچھا جس پر وقار یہ سن کر اُچھل پڑا۔

''تم آرام سے ایک رات جیل میں رہنا جب تک میں یہاں سب سنبھال لوں گا۔ اب تم فون

اُٹھاؤ اور سلمان صاحب سے کہو کہ تم ان کا کام کرنے پر آمادہ ہو۔'' علی اپنے موبائل پر مصروف اسے ہدایت دینے لگا جب کہ وقار سمجھ میں نہ آنے والے انداز سے اسے گھور رہا تھا۔

''میں سلمان صاحب کا کام بھی کروں اور جیل بھی جاؤں۔'' وہ دانت پیس کر بولا۔ اس سے قبل کہ وہ مزید کچھ کہتا، کمرے کا دروازہ کھلا اور پولیس کے چند سپاہی کمرے میں داخل ہوئے۔

''ماسٹر وقار آپ ہی ہیں؟'' ایک نے وقار سے پوچھا۔ وقار جو مارے خوف کے سن ہو گیا تھا تھوک نگل کر بہ مشکل ''ہاں'' کہہ پایا۔

''آپ کو گرفتار کیا جاتا ہے ماسٹر جی! آپ نے سیٹھ سلمان پر قاتلانہ حملہ کروایا۔ آپ نے کرائے کے جو بزدل قاتل خریدے تھے انھوں نے پولیس کی ایک ہی مار میں سچ اُگل دیا۔'' کمرے کا دروازہ کھلا اور آنکھوں پر چشمہ لگائے ایک افسر اندر داخل ہوا اس کے ہاتھ میں وقار کی گرفتاری کا وارنٹ موجود تھا۔

''مم... میں نے کوئی قاتلانہ حملہ نہیں کروایا۔'' وقار بُری طرح بوکھلا گیا تھا۔ اس نے علی کو مدد طلب نگاہوں سے دیکھا تو علی نے بے نیازی سے کندھے اُچکا دیے۔ ''میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''میں سلمان صاحب کی بات ماننے کو تیار ہوں، پلیز مجھے تھوڑا وقت تو دیں۔'' وقار نے بوکھلا کر موبائل نکالا اور سلمان صاحب کو فون ملانے لگا۔ بیل جاتی رہی اور آخر کار فون اُٹھا لیا گیا۔

''ہیلو سلمان صاحب! میں آپ کا کام کرنے کو تیار ہوں۔ پلیز آپ مجھ پر جھوٹا الزام نہ لگوائیں اور پلیز پولیس سے کہیں کہ یہ واپس چلی جائے۔'' وقار جلدی جلدی بولا، مگر دوسری طرف کا جواب سن کر اس کا خون خشک ہو گیا۔

''سوری بابا گھر پر نہیں ہیں۔'' اسد کی آواز تھی اور لائن کاٹ دی گئی۔

''آپ ہمارے ساتھ خاموشی سے چل دیں ماسٹر جی! ورنہ خواہ مخواہ ہمیں زبردستی کرنی پڑے گی۔'' پولیس افسر نے تلخ لہجے میں کہا۔

''ایکس کیوزمی! آپ اپنی باتیں کریں، مجھے بہت سے کام کرنے ہیں، میں چلتا ہوں۔'' علی اچانک اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔ وقار بے یقینی سے علی کو جاتا ہوا دیکھتا رہا۔
اس نے اسکول کے دروازے سے باہر قدم رکھا تو ہکا بکا رہ گیا۔ اسکول کے باہر میڈیا والوں کا ہجوم تھا، مگر میڈیا والوں کو کس نے بلایا تھا... اس سے سبھی لاعلم تھے۔
''دیکھیں بھئی ماسٹر صاحب نے سیٹھ سلمان سے کچھ ذاتی اختلافات کی وجہ سے ان پر قاتلانہ حملے کروائے، ہم تو محض قانون کے محافظ ہونے کا حق ادا کر رہے ہیں۔'' پولیس افسر جھنجلاتے ہوئے مائک ہاتھوں میں تھامے لوگوں کو تقریباً دھکیلتے ہوئے اپنی گاڑی تک لے آیا۔
''آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ماسٹر وقار نے سیٹھ سلمان پر قاتلانہ حملہ کروایا ہے؟'' ایک اینکر نے آنکھیں گھما گھما کر ثبوت مانگا۔
''انھوں نے جن لوگوں سے یہ کام کروائے ہیں وہ پولیس کی حراست میں ہیں اور اپنا جرم قبول کر چکے ہیں۔'' آفیسر نے چشمہ واپس آنکھوں پر جمایا اور کار کا دروازہ بند کر دیا۔ گاڑی آگے بڑھنے لگی تو لوگ خود بہ خود سامنے سے ہٹنے لگے، اس کے ساتھ ہی پولیس کی گاڑی بھی آگے بڑھتی گئی۔ ٹی وی اینکرز زور و شور سے آج کی تازہ خبر ''لائیو'' لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔
تھوڑی دیر بعد علی ایک معروف اخبار کے ایڈیٹر کے سامنے بیٹھا تھا۔ اور وہ دونوں کافی انہماک سے ایک ویڈیو دیکھ رہے تھے۔
''ہوں ں ں...... تو یہ تھا ذاتی اختلاف۔'' ایڈیٹر فراز نے اپنے موٹے سے چشمے کو اُتار کر آنکھوں کو مسلتے ہوئے کہا، ''میرا خیال ہے ہمیں اس خبر کو بغیر وقت ضائع کیے لوگوں تک پہنچا دینا چاہیے۔'' علی نے کہا۔
''ہاں کیوں نہیں! آخر وقار میرا محسن ہے، کس طرح اس نے میرے بیٹے کو بغیر فیس لیے پڑھایا تھا اور میرا بیٹا اچھے نمبروں سے پاس ہوا تھا...... میں تو کہتا ہوں پورے شہر میں اس جیسا استاد شاید ہی

کوئی اور ہو۔'' فراز سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''تم ایک کام کرو میرا ایک دوست ہے حمزہ۔ اس کے پاس یہ ویڈیو لے جاؤ اور اسے کہو اسے ٹوئیٹر پر ڈال دے۔''

''حمزہ... وہی جو ایک مشہور آرٹسٹ ہے، لوگ تو دیوانے ہیں اس کے۔'' علی ایک دم سے کھل اُٹھا۔

''ہاں ہاں وہی اسے میرا حوالہ دینا۔ میں کل کے اخبار میں اس خبر کو ہیڈ لائن بناتا ہوں۔'' فراز بات ختم کرتے ہوئے کاغذات کے انبار پر جھک گیا۔ علی سیڑھیوں سے نیچے اُترتے ہوئے زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔ رات تک علی اپنے تمام کاموں سے فارغ ہو چکا تھا اور اب بستر پر نیم دراز لیپ ٹاپ پر اپنے کچھ ضروری کام نمٹا رہا تھا۔

دوسرے دن اخبار، ٹوئیٹر اور ٹی وی چینلز صرف ''ماسٹر وقار اور سیٹھ سلمان'' کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ چکی تھی کے وہ کرائے کے قاتل خود سلمان صاحب کے آدمی تھے جنھوں نے عوام اور پولیس کو گمراہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ سلمان صاحب بُری طرح سے اپنے خاندان میں اپنی ''ناک'' کٹوا بیٹھے تھے، کیوں کہ عوام نے اس دل چسپ موضوع کو ہاتھوں ہاتھ لیا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے پورا فیس بک سیٹھ سلمان کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ بڑی تعداد میں طلبہ و طالبات بینرز لیے پولس اسٹیشن کے باہر کھڑے اپنے استاد کی رہائی اور سیٹھ سلمان کی گرفتاری کے نعرے لگا رہے تھے۔ میڈیا کوریج جاری تھی۔ وقار تو مارے خوشی کے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد اسے باعزت بری کر دیا گیا اور وہ طلبہ و طالبات میں گِھرا ہوا اپنے گھر تک پہنچا جہاں علی اور اس کے دوست اس کے منتظر تھے۔ آج علی تو اپنے بنائے ہوئے پلان کی تکمیل پر بے حد خوش تھا ہی مگر آج ماسٹر وقار کی کیفیت دیدنی تھی۔ وقار نے ایک ہاتھ ایسے بلند کیا جیسے وہ کوئی حلف لے رہا ہو۔ آسمان کی سمت دیکھا اور کہا... اے اللہ پکا وعدہ... ہر تکلیف برداشت کریں گے لیکن تعلیم سے کوئی بد یانتی برداشت نہیں کریں گے۔

نونہال ادیب

نونہال قلم کاروں کی تحریریں جو اُنھیں آگے چل کر یاد دلائیں گی کہ اُنھوں نے لکھنے کا آغاز کیسے کیا تھا

- تبسم حسنی، کراچی
- سدرہ نور چشتی، ڈیرہ غازی خان
- مرزا اسامیہ بیگ، میر پور خاص
- صدف جاوید، کراچی
- عبدالرحمٰن امجد، ملتان
- انعم احمد، کراچی
- مائرہ ریاض، اسلام آباد
- ایمن شاہد، میر پور خاص

انعام

تبسم حسنی، کراچی

ایک چھوٹی سی کمہاروں کی بستی تھی، جہاں کمہار اپنے گھر والوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہتے تھے۔ فضل دین اسی بستی کا ایک محنت کش کمہار تھا، جس کے ہاتھ کی صفائی دور دور تک مشہور تھی۔ گڑیا ان کی ایک ہی بیٹی تھی۔ گڑیا صبح سویرے اُٹھ کر گھر کے کام میں ماں کا ہاتھ بٹاتی پھر اسکول چلی جاتی، اسکول کے بعد وہ اور اس کی سہیلیاں خوب کھیلتیں۔

''میرے ابا مجھے مٹی کے برتن بنانا سکھائیں گے، پھر میں جب سیکھ جاؤں گی اپنے لیے بہت سارے برتن بناؤں گی۔'' گڑیا کی سہیلی نے اسکول سے واپسی پر راستے میں کہا۔

''ہم بھی اپنے ابا سے سیکھیں گے۔'' ان کے ساتھ چلتی دوسری لڑکیوں نے بھی کہا۔

گڑیا نے گھر آ کر بستہ رکھا اور فضل دین کے سامنے بیٹھ گئی۔ فضل دین کوئی لوک گیت گاتے ہوئے کام کر رہا تھا گڑیا خاموشی سے ان کے ہاتھوں کی کاری گری دیکھنے لگی۔ جب مٹی کی صراحی تیار ہوگئی تو فضل دین نے اسے ایک طرف رکھ دیا۔

''بابا جان! یہ کتنا خوب صورت ہے، لیکن اسے بنانا بہت مشکل ہے نا؟'' گڑیا نے ابا سے پوچھا۔

''کوئی بھی کام ہمیں تب تک مشکل لگتا ہے جب تک ہم اسے سیکھ نہیں جاتے، اسے سیکھنے کے لیے خوب محنت بھی کرنی پڑتی ہے، اور پھر ہمیں وہ کام آ جاتا ہے اور آسان لگتا ہے۔ اگر ہم محبت سے کوئی بھی کام کریں تو نہ محنت کا احساس اور نہ ہی کسی مشکل کا۔'' فضل دین نے گڑیا سے کہا۔

گڑیا کو اس کام میں دل چسپی نہ تھی، مگر باپ کو کام کرتے دیکھ کر اسے مزہ آ رہا تھا۔

کچھ دن بعد اسکول میں ایک دل چسپ مقابلے کا اعلان ہوا۔ چوں کہ یہ کمہاروں کی بستی کا اسکول تھا، اس لیے مقابلے میں مٹی سے اشیاء بنا کر لانی تھیں۔ ایک ہفتہ بعد یہ مقابلہ رکھا گیا تھا۔

''بابا جان! اگلے ہفتے اسکول میں مقابلہ ہے، اور مجھے آپ سے یہ کام سیکھنا ہے، تاکہ میں بھی مقابلے میں حصہ لے سکوں۔'' گڑیا نے گھر میں داخل ہوتے ہی فضل دین سے کہا۔
''کیوں نہیں، اپنی گڑیا کو ضرور سکھاؤں گا۔'' فضل دین نے پیار سے کہا: ''کوئی بھی کام مضبوط ارادے کے علاوہ سخت محنت بھی مانگتا ہے۔ اگر تمھارے پاس یہ دونوں ہیں تو پھر کوئی بھی تمھیں کام یاب ہونے سے نہیں روک سکتا۔''
آہستہ آہستہ اس کی دل چسپی ختم ہو رہی تھی۔ وہ تھوڑا سا سیکھنے کی کوشش کرتی، پھر کھیلنے چلی جاتی۔
ایک دن وہ اپنے ابا کے پاس بیٹھی تھی۔ اس نے اپنی بیٹی سے کہا: ''کام یابی کے لیے ضروری ہے کہ جو بھی کام کرو وہ صبر اور محنت سے کرو، ورنہ پچھتانا پڑے گا۔''
''بابا جان! اب میں بھی پوری توجہ اور محنت سے سیکھوں گی۔'' گڑیا نے کہا۔
اس دن کے بعد گڑیا بڑی محنت سے سیکھنے لگی۔ اگر کام خراب ہو جاتا تو پھر کوشش کرتی۔ بد دلی سے چھوڑ کر نہیں جاتی۔ گڑیا نے اتنا تو سیکھ ہی لیا تھا کہ مقابلے میں حصہ لے سکے۔
مقابلے والے دن سب ہی پُر جوش تھے۔ گڑیا کو امید تھی کہ وہ بھی مقابلے میں انعام حاصل کر لے گی، لیکن اسے کوئی انعام نہیں ملا۔
''بابا جان! میں نے کتنی محنت کی تھی پھر بھی ہار گئی۔'' گڑیا نے فضل دین سے کہا۔
''ہار پہ دل چھوٹا نہیں کرتے بچے! ہوسکتا ہے کہ جن بچوں نے انعام حاصل کیا ہے انھوں نے زیادہ محنت کی ہو۔ پہلی بات پر ہی سب ختم نہیں ہو جاتا اور یاد رکھو ناکامی، کام یابی کی پہلی سیڑھی کو کہا جاتا ہے، اس لیے تمھاری یہ ہار آگے تمھارے لیے کامیابیاں لے آئے گی، مگر شرط صرف محنت اور لگن کی ہے۔'' فضل دین نے گڑیا کو سمجھایا۔
اس دن کے بعد گڑیا اسکول اور کھیل کے ساتھ ساتھ پھر سے مٹی کی چیزیں بنانے لگی۔
کمھاروں کی بستی کا یہ اسکول صرف پانچویں جماعت تک تھا۔ اس کے بعد پڑھنے کے لیے شہر جانا پڑتا تھا۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے سوچا اسی طرح کا ایک مقابلہ بڑے پیمانے پر رکھا جائے۔ اہم تعلیمی افسران کو مدعو کیا جائے تاکہ وہ بچوں کی قابلیت پر ان کی حوصلہ افزائی کریں اور اسکول کی

مزید جماعتوں کی منظوری بھی دے دیں۔
تین ماہ بعد اسکول کے سامنے بڑا سا پنڈال سجایا گیا تھا۔ پنڈال لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسٹیج پر مہمان بیٹھے تھے۔ مقابلے میں حصہ لینے والے بچوں کے بنائے ہوئے شاہ کار بڑی سی میز پر سجائے گئے تھے۔ مہمانانِ گرامی کی حوصلہ افزاء تقاریر کے بعد انعامات کی تقسیم کا سلسلہ شروع ہوا۔
گڑیا کو جیت کی اُمید تو تھی، مگر ہار کا خوف بھی تھا۔ پہلے تیسرے انعام یافتہ کا نام پکارا گیا، پھر دوسرے اور آخر میں پہلے انعام یافتہ کا نام پکارا گیا۔ گڑیا کی جیت کی آس ٹوٹ گئی تھی، مگر اس نے اپنا حوصلہ ٹوٹنے نہیں دیا۔ فضل دین نے غور سے گڑیا کو دیکھا کہیں ہار پر وہ دکھی تو نہیں ہو رہی۔
''کوئی بات نہیں بابا جان! ہار پر سب ختم تو نہیں ہو جاتا۔ اگلی بار پھر کوشش کرلوں گی۔''
تینوں انعام یافتہ بچوں کو انعام دیا جا چکا تھا۔
''اُصولاً تو انعامات کی تقسیم تین درجوں میں کی جاتی ہے، مگر ہم نے سب سے خاص اور بہترین شاہ کار کے لیے الگ سے انعام کا فیصلہ کیا ہے۔'' ہیڈ ماسٹر نے یہ خبر سنا کر بچوں میں جیسے جوش سا بھر دیا۔
''اور انعام دیا جاتا ہے......'' انھوں نے تھوڑا وقفہ کیا جس سے سارے پنڈال میں تجسس پھیل گیا۔ ''گڑیا فضل دین'' ہیڈ ماسٹر نے مسکراتے ہوئے گڑیا کا نام پکارا جو بے یقینی سے اسٹیج کی طرف دیکھ رہی تھی۔
پھر گڑیا دوڑتی ہوئی اسٹیج پر اپنا انعام لینے گئی۔ پورا پنڈال تالیوں سے گونج اُٹھا تھا۔
''بابا جان! میں جیت گئی۔'' گڑیا نے ٹرافی لہراتے ہوئے فضل دین سے کہا۔
''ہاں! گڑیا، تمھاری محنت اور حوصلہ جیت گیا۔'' فضل دین گڑیا کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

احسان

سدرہ نور چشتی، ڈیرہ غازی خان

''ارے راشد! وہ چپلی کباب حمید صاحب کی میز پر رکھ دو۔'' استاد حامد چلّایا۔
راشد ایک غریب

لڑکا تھا۔ اس کا اپنے غریب چچا کے سوا دنیا میں کوئی اور نہ تھا۔ راشد کے ماں باپ راشد کے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔ اس کے چچا نے اسے پال پوس کر بڑا کیا۔ اب چچا بوڑھے تھے اور ان میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ نوکری کریں اس لیے راشد کو کام کرنا پڑتا تھا۔ وہ ریسٹورانٹ میں ویٹر کی نوکری کر رہا تھا۔ راشد کو پڑھنے کا بہت شوق تھا، مگر وہ کام کرنے پر مجبور تھا۔

راشد چپلی کبابوں کی پلیٹ لیے ماسٹر حمید کی میز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور راشد کو اسکول جاتے بچے نظر آ رہے تھے۔ راشد نے کباب ماسٹر صاحب کے سامنے رکھے اور وہیں ٹھہر کر بچوں کو حسرت سے دیکھنے لگا۔ ماسٹر صاحب نے یہ دیکھا تو سمجھ گئے کہ راشد پڑھنا چاہتا ہے۔ انھوں نے راشد کو بلایا۔

راشد نے ہڑ بڑا کر کہا: ''جی! کچھ چاہیے؟''

ماسٹر صاحب نے کہا: ''بیٹا! کیا تم پڑھنا چاہتے ہو اور پڑھ نہیں سکتے؟''

راشد ہکلایا: ''جج ...... جی!''

'تو بیٹے! میں تمھیں پڑھاؤں گا۔ میں تمھاری تعلیم کا خرچ برداشت کروں گا اور تمھیں بڑا آدمی بناؤں گا۔ اپنے سرپرست سے کہہ دینا کہ تم شام کو کام کرو گے اور صبح اسکول جاؤ گے۔ میں اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہوں۔ تمھاری فیس معاف ہوگی۔''

''شکریہ! میں آپ کا احسان کبھی نہ بھولوں گا۔''

راشد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

راشد کو ماسٹر حمید نے پڑھایا اور ایک دن وہ ہوٹل کا غریب ویٹر نہیں، بلکہ پروفیسر راشد بن گیا۔ وہ اپنے استاد کا بے حد احترام کرتا ہے۔ اب راشد ایک اور غریب، لیکن محنتی لڑکے کی تعلیم کا خرچ اُٹھا رہا ہے اور اپنے اس عمل پر وہ بہت خوش ہے۔

جشنِ نو بہار

صدف جاوید، کراچی

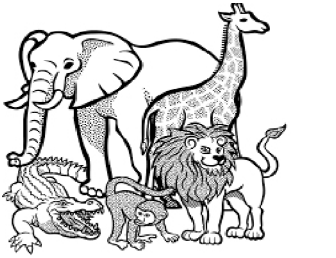

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ بہار کا موسم وادی نو بہار میں خوشی کا پیغام لایا تھا۔ جنگل کا بادشاہ

کافی عرصے بیمار رہنے کے بعد صحت یاب ہوا۔ سارے جانور اسے صحت مند دیکھ کر خوش تھے۔
شیر نے دھاڑ کر اپنی صحت یابی کا اعلان کیا۔ اسی خوشی میں جشن منانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ جشن کی صبح کا آغاز پرندوں نے اپنے سریلے گیت سے کیا۔ پھر مور نے اپنے خوب صورت ناچ سے سب کا دل لبھایا۔ اس کے بعد بھالو میاں کی باری آئی۔ انھوں نے ایسے مزے مزے کے لطیفے سنائے کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ آخر بی لومڑی کو کہنا پڑا: ''بس کریں بھالو میاں! اب دوسروں کو بھی اپنا کمال دکھانے کا موقع دیں۔
پھر جانوروں کے درمیان دوڑ کا مقابلہ شروع ہوا۔ جس میں ہرن، کتے اور بکرے نے اول، دوم اور سوم انعام حاصل کیا۔
تقسیمِ انعامات کے بعد شیر کو پھلوں اور پھولوں کی نمائش دیکھنے جانا تھا، جہاں سب بے چینی سے اس کی آمد کے منتظر تھے۔ اچانک ایک دھماکا ہوا اور فضا دھندلی ہو گئی۔ جشن افرتفری کا شکار ہو گیا۔ سارے جانور جان بچا کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ پھول اور پھل زمین پر گر پڑے اور روندے جانے لگے۔
ایسے میں شیر نے سب کو نظم و ضبط کے ساتھ رہنے کے لیے کہا۔
''ایسی حالت میں کون ایک جگہ صبر سے کھڑا رہ سکتا ہے۔'' مرغا یہ کہتے ہوئے بکرے کے ساتھ بھاگ رہا تھا کہ شیر کی گونج دار دھاڑ نے ٹھہرنے پر مجبور کر دیا۔
فضا میں دھندلاہٹ کم ہوئی تو منظر صاف ہونے لگا۔ شیر نے اردگرد نظر دوڑائی تو منکو بندر زخمی حالت میں پڑا نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہی سدابہار کا پودا جھلسا ہوا تھا۔ شیر نے حکیم گیدڑ کو ان کی مرہم پٹی کے لیے کہا۔ سب ہی دھماکے پر حیران پریشان تھے۔ ٹنکی بندریا نے جان کی امان پاتے ہوئے عرض کی: ''منکو اکثر انسانوں کی دنیا میں جاتا ہے۔ وہیں اس نے جشن کے دوران آتش بازی کا مظاہرہ دیکھا تو اس نے بھی جشن کے لیے یہ سامان خرید لیا۔
جس وقت آپ نمائش کے لیے جانے والے تھے، اس وقت وہ اسی فن کا مظاہرہ کرنے والا تھا، مگر ناسمجھی کی وجہ سے وہ منکو کے ہاتھ میں ہی پھٹ گیا۔ پھر جو ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔
شیر نے ٹنکی بندریا کی باتیں غور سے سنیں۔ پھر منکو کو سمجھاتے ہوئے بولا: ''نقل کے لیے بھی عقل کی

ضرورت ہوتی ہے۔ آتش گیر مادے انسان کے لیے بھی نقصان دہ ہیں۔ بسا اوقات انسان خود ہی اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے ہاتھوں نقصان اُٹھاتا ہے۔ اس فن کے مظاہرے کے لیے بہت مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسا کوئی ماہر ہی کرسکتا ہے۔'' منکو نے آیندہ کے لیے توبہ کی وہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

شیر نے سب سے مخاطب ہو کر کہا: ''ہمیں ایسی سرگرمیوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے جس سے جلنے، جھلسنے یا زخمی ہونے کا ڈر ہو۔ ہمیں ہر مشکل گھڑی میں نظم وضبط کے ساتھ متحد رہنا چاہیے۔''

پابندی کا انعام

عبدالرحمٰن امجد، ملتان

عثمان ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ جماعت میں اس کی کارگردگی درمیانے درجے کی تھی، مگر جماعت میں پابندی سے اس کی حاضری سو فی صد ہوتی اور کبھی ایک دن کی بھی چھٹی نہ ہوتی۔ بچے اکثر چھٹی کر لیتے تھے، مگر عثمان نے کبھی چھٹی نہیں کی۔ چاہے کچھ بھی ہو۔ اس کی امی اسے روزانہ اسکول بھیجا کرتی تھیں۔ عثمان نے کبھی کبھی احتجاج بھی کیا تھا، مگر اس کی امی ہمیشہ یہی کہتی تھیں: ''بیٹا! اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے۔ آپ کو استاد کی مکمل بات سننے کا موقع ملتا ہے۔ اگر آپ گھر میں کسی وجہ سے نہیں پڑھ پاتے تو بھی آپ کا نقصان نہیں ہوتا اور آپ کی کارگردگی اچھی رہتی ہے۔''

آج بیماری کے خلاف اسکول میں عالمی دن منایا جا رہا تھا۔ یونین کے جنرل کونسلر کو بطورِ مہمان خصوصی مدعو کیا گیا تھا۔ انھوں نے اسکول میں صفائی کے حوالے سے تقریر بھی کی اور بتایا کہ ہم صاف ستھرا رہنے سے کس طرح بیماریوں سے بچ سکتے ہیں۔ اس سلسلے کو جِلا بخشنے کے لیے انھوں نے سب سے کم بیمار ہونے والے بچے کے لیے وظیفے کا اعلان بھی کیا، جس کا اندازہ انھوں نے اسکول کے حاضری رجسٹر کو دیکھ کر لگایا کہ کون سا بچہ باقاعدگی سے اسکول آتا ہے۔ عثمان کی خوشی کی انتہا نہ رہی، جب انعام کے لیے اس کا نام پکارا گیا۔ آج صحیح معنوں میں اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ اسکول باقاعدگی سے آنے میں ان کا اپنا ہی بھلا ہے۔

میرا بلّا

مرزا سامیہ بیگ، میرپورخاص

میں نے بھی اک بِلّا پالا
موٹا موٹا ، کالا کالا
پیتا تھا وہ دودھ کا پیالا
میں نے بھی اک بِلّا پالا
خوب اکڑ کر چلتا تھا وہ
لیکن مجھ سے ڈرتا تھا وہ
چوہوں کا تھا جانی دشمن
کتوں سے ڈرتا تھا لیکن
اک دن اک کتا جو آیا
اس کو اس نے مار بھگایا
ایسا بھاگا پھر وہ گھر سے
آج تلک نہ واپس آیا
میں نے بھی اک بِلّا پالا
موٹا موٹا ، کالا کالا

احسان فراموش بھیڑیا

انعم احمد، کراچی

ایک بہت بڑے عالم کی رحم دلی کا بہت چرچا تھا۔ ایک دن وہ گدھے پہ سوار جا رہے تھے۔ اچانک انھیں شکاریوں کا ایک گروہ دکھائی دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بھیڑیا بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا: ''اے رحم دل انسان! مجھے اپنے تھیلے میں چھپا لو، کچھ شکاری میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں وہ مجھے مارنا چاہتے ہیں۔ اگر تم نے میری مدد کی تو میں تمھارا زندگی بھر احسان مند رہوں گا۔''

عالم نے یہ بات سنی تو اپنے تھیلے سے کتابیں نکالیں اور بھیڑیے کو چھپا لیا اور اوپر سے کتابیں ڈال دیں، تاکہ یہ نظر نہ آئے۔

تھوڑی دیر بعد شکاری بھی آ گئے جب انھیں بھیڑیا نظر نہ آیا تو وہ واپس چلے گئے۔ جب عالم نے بھیڑیے کو باہر نکال تو بھیڑیے نے کہا: ''میں تمھارا احسان مند ہوں تم نے میری جان بچائی ہے، لیکن بھوک سے میرا بُرا حال ہو رہا ہے اگر کھانے کو کچھ نہ ملا تو مر جاؤں گا۔ تم مجھے اجازت دو کہ میں تمھیں کھا لوں۔''

یہ کہتے ہوئے بھیڑیا اس عالم پر جھپٹا۔ عالم کو اپنی جان بچانا مشکل ہو گئی۔ خوش قسمتی سے اسی وقت سامنے سے ایک بزرگ آتے نظر آئے۔ عالم نے ان کے پاس پہنچ کر پوری بات بتائی۔

بھیڑیے نے کہا: ''جب اس نے مجھے تھیلے میں ڈالا تو میرے پیر باندھ دیے تھے اور اوپر سے کتابیں بھی ڈال دیں تھیں۔ میرا تو دم گھٹ رہا تھا۔ یہ چاہتا تھا کہ میں مر جاؤں۔''

بوڑھے آدمی نے اس بات سنی اور کہا: ''اگر تم واقعی سچ کہہ رہے ہو تو اس تھیلے میں واپس جا کر دکھاؤ، تا کہ میں یہ اندازا لگا سکوں کہ واقعی تمھارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ خود غرض بھیڑیا خوشی خوشی واپس تھیلے میں چلا گیا۔ بزرگ نے عالم سے کہا: ''جلدی سے اس پر چھری کا وار کر دو۔''

عالم نے کہا: ''اس طرح تو یہ زخمی ہو جائے گا۔''

بزرگ نے ہنستے ہوئے کہا کہ تم واقعی بہت رحم دل انسان ہو۔ وہ تمھیں کھانا چاہتا ہے اور پھر بھی تم اس کی فکر کر رہے ہو۔ عالم ان کی بات کو اچھی طرح سمجھا اور آخر اسے اس کے عبرت ناک انجام تک پہنچا دیا۔

بکرے کی آپ بیتی

مائرہ ریاض، اسلام آباد

میں ایک بڑے سے پُرسکون گاؤں میں رہتا تھا، جہاں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ اور بڑے بڑے کھیت تھے۔ میں وہاں ایک بڑی سی کوٹھی میں رہتا تھا۔ میرا مالک بہت خوش مزاج آدمی تھا۔ اس کو مجھ سے بہت پیار تھا۔ وہ سردیوں میں بھی صبح مجھے روز

چارہ ڈالتا تھا۔ دن ایسے ہی گزرتے گئے۔ ایک بار میرا مالک بیمار پڑ گیا وہ کئی کئی دن بستر پر پڑا رہتا تھا۔ کافی دنوں سے اسے مجھے دیکھنے کی بھی توفیق نہ ہوئی۔ مجھے اپنا مالک بہت اچھا لگتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ مجھے اپنے ہاتھوں سے چارا کھلائے اور میرے پاس بیٹھے۔ میں اس کے لیے شب و روز خدا سے دعائیں مانگتا رہا کہ یارب! اسے شفا بخش دے۔ ایک دن میرے مالک کی طبیعت مزید بگڑ گئی۔

ایک سنہری صبح کوئی اجنبی شخص مجھے ویران سی جگہ پر لے گیا۔ وہاں میرا بیمار مالک بھی موجود تھا۔ میں اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا کہ تم نے مجھے کیسے چھوڑ دیا؟

پھر ایک دم مجھے لِٹا دیا گیا۔ میرے چاروں پیر باندھ دیے گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ دو آدمی میری طرف بڑھے۔ ان کے ہاتھوں میں کوئی تیز دھار چیز تھی۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اللہ کو یاد کرتا رہا۔ میں جانتا تھا کہ آج میرا دنیا میں آخری دن ہے۔ دھیرے دھیرے چھری میرے قریب آتی گئی۔ میں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور آخری بار اپنے مالک کی طرف محبت کی نگاہوں سے دیکھا، کیوں کہ وہ بے وفا ہی سہی، مگر اس نے میری پوری زندگی دیکھ بھال کی تھی اور اب میرے رخصت ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ میں نے اپنی آنکھیں دوبارہ بند کرلیں اور مالک کی خاطر قربان ہوگیا۔

احمق شہزادہ

ایمن شاہد، میرپور خاص

ایک بادشاہ اپنے احمق شہزادے کی وجہ سے اکثر پریشان رہتا تھا۔ شہزادے میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ وزیر نے عرض کی: ''بادشاہ سلامت! اگر شہزادے کو علم نجوم سکھا دیا جائے تو اس کے اندر غور کرنے اور سوچنے سمجھنے کی

صلاحیت خود بہ خود پیدا ہو جائے گی۔''
بادشاہ کو یہ تجویز پسند آئی۔ چناں چہ ایک ماہر نجومی کو شہزادے کی تعلیم پر مقرر کر دیا گیا۔ نجومی نے بڑی محنت سے اسے تمام اصول و قواعد سکھا دیے۔ جب اس کو یقین ہو گیا کہ شہزادے نے علمِ نجوم کے قواعد و ضوابط یاد کر لیے ہیں تو بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: ''حضور! میں نے اپنی ذمے داری پوری کر دی ہے۔ آپ شہزادے کا امتحان لے سکتے ہیں۔''

بادشاہ نے چپکے سے انگوٹھی مٹھی میں رکھ کر پوچھا: ''بتاؤ! میری مٹھی میں کیا ہے؟''
شہزادے نے زائچہ بنایا۔ حساب اور اعداد کے قاعدے سے اسے معلوم ہو گیا کہ کوئی گول چیز ہے، بیچ میں خالی بھی ہے۔ شہزادے نے کہا: ''معلوم ہو گیا کہ یہ چکی ہے جہاں پناہ۔''
بادشاہ نے کہا: ''بے وقوف! اتنی بڑی چکی میرے ہاتھ میں کیسے آ سکتی ہے؟ تم نے اپنے ساتھ اپنے استاد کا نام بھی ڈبو دیا۔''

پھول اور گھاس

بے ثمر ہے علم حکمت کے بغیر
پھول میں خوشبو نہ ہو تو گھاس ہے

انعامی سلسلہ ۲۸۲

معلومات افزا

س۔ف

درجِ ذیل **۱۰** سوالات کے جوابات **۱۵/جولائی ۲۰۱۹ء** سے قبل بھجوا دیں۔ جواب کے ساتھ کوپن کا آنا ضروری ہے۔ تمام درست جواب دینے والے پندرہ نونہال انعام کے حق دار ٹھہریں گے۔ تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں انعام کا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کیا جائے گا۔

۱ قرآن مجید کے پہلے کاتب حضرت .... تھے۔ (خالد بن سعید العاص۔ خالد بن ولید۔ عمرو بن العاص)

۲ .... اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہے، جو حضورِ اکرمؐ نے تعمیر کرائی تھی۔ (مسجد قبا ۔ مسجدِ نبویؐ ۔ مسجدِ فتح)

۳ قیامِ پاکستان کے بعد سب سے پہلا جاری ہونے والا اردو روزنامہ .... تھا۔ (مشرق ۔ امروز ۔ حریت)

۴ .... کو عالم اسلام کا پہلا طبیب، سائنس داں اور کیمیا داں قرار دیا جاتا ہے۔

(جابر بن حیان ۔ ابوعثمان جاحظ ۔ خالد بن یزید بن معاویہ)

۵ .... کو جرمنی کا سب سے بڑا شاعر مانا جاتا ہے۔ (دانتے ۔ شیلے ۔ گوئٹے)

۶ مادری زبان کا عالمی دن ہر سال ۲۱ .... کو منایا جاتا ہے۔ (فروری ۔ مارچ ۔ اپریل)

۷ کرکٹ کے پاکستانی کھلاڑی ظہیر عباس .... میں پیدا ہوئے۔ (سیالکوٹ ۔ ملتان ۔ کراچی)

۸ پی ٹی وی کا سب سے پہلا کوئز پروگرام .... تھا۔ (شیشے کا گھر ۔ نیلام گھر ۔ بوجھو تو جانیں)

۹ اردو زبان کا ایک محاورہ یہ ہے: ''چودہ .... روشن ہو جانا۔'' (دیے ۔ طبق ۔ چراغ)

۱۰ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی — جیسی اب ہے تری .... کبھی ایسی تو نہ تھی

(سماعت ۔ حالت ۔ محفل)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۸۳ (جون ۲۰۱۹ء)

نام : ____________________

پتا : ____________________

عمر : __________ تعلیم : __________

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (جولائی ۲۰۱۹ء)

عنوان : ____________________

نام : ____________________

پتا : ____________________

عمر : __________ تعلیم : __________

کوپن برائے نام بوجھیے (جولائی ۲۰۱۹ء)

نام شخصیت : ____________________

نام نونہال : __________ عمر : ______ تعلیم : ______

پتا : ____________________

ایک کوپن، ایک نونہال کے لیے ہے۔ایک ہی عنوان لکھیے۔
اپنا پتا صاف اور خوش خط لکھیے۔کوپن کو A4 سائز کے کاغذ پر چسپاں کیجیے اور
۱۵ جولائی ۲۰۱۹ تک بھجوا دیجیے۔

جوابات معلومات افزا - ۲۸۱

مئی ۲۰۱۹ء میں شائع ہونے والے معلومات افزا-۲۸۱ کے درست جوابات ذیل میں لکھے جارہے ہیں۔تمام درست جوابات دینے والے نونہالوں کی تعداد ۱۵ سے زیادہ تھی، اس لیے ان سب نونہالوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے ۱۵ نام نکالے گئے۔ان ۱۵ نونہالوں کو ایک ایک کتاب روانہ کی جائے گی۔باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جارہے ہیں۔

۱۔ واقعہ معراج النبیؐ ۲۷ رجب کو پیش آیا تھا۔

۲۔ ''ابوعمارہ'' حضرت امیر حمزہؓ کی کنیت تھی۔

۳۔ ۹/اپریل ۱۹۷۱ء کو جنرل ٹکا خان کو مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔

۴۔ جدید جمہوریہ ترکی کے پہلے صدر مصطفیٰ کمال اتاترک تھے۔

۵۔ ڈائنامائٹ کے موجد ڈاکٹر الفریڈ نوبیل کا تعلق سویڈن سے تھا۔

۶۔ راجا داہر، راجا چچ کا بیٹا تھا۔

۷۔ سب سے تیز رفتار چوپایہ چیتا ہے۔

۸۔ ''فاروق احمد'' مشہور شاعر محشر بدایونی کا اصل نام ہے۔

۹۔ اردو زبان کا ایک محاورہ یہ ہے: ''رنگ میں بھنگ ڈالنا۔''

۱۰۔ مشہور شاعر حفیظ ہوشیار پوری کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

دوستی عام ہے، لیکن اے دوست! دوست ملتا ہے بڑی مشکل سے

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے پندرہ خوش قسمت نونہال

☆ **کراچی:** صائبہ مشام مصطفیٰ، اسما اشرف، سیدہ جویریہ جاوید، انیقہ عبدالجبار، محمد عباس شیخ، وا ینا جنید، محمد عارج الایمان ☆ **لاہور:** امتیاز علی ناز ☆ **حیدر آباد:** عائشہ ایمن عبداللہ۔

☆ **میر پور خاص:** وقار احمد ☆ **ملتان:** محمد اُسید خالد ☆ **کھڈیاں خاص:** فروا ظہیر۔

☆ **پرانا سکھر:** محمد حسیب ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆ **مظفر گڑھ:** محمد یحییٰ خان لغاری۔

۱۰ درست جوابات دینے والے قابل نونہال

☆ **کراچی:** شاکر اللہ، حسان خالد، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سید عفان علی جاوید، بشریٰ عبدالواسع، ایمن ناز شیخ، اریبہ غلام محمد، عروبہ امین، وردہ محمد آصف، علینا اختر، حفصہ طارق، محمد جنید راؤ سرفراز، طٰہٰ ندیم، عبدالرحمٰن عارف، سید سبطین احمد، عائزہ خان، محمد دانش علی، سیدہ ناہید نرگس، رباب فاطمہ، ارسلان احمد، عائشہ احمد ☆ **لاہور:** اُسامہ ضیا، ولید اشرف ☆ **حیدر آباد:** ملک فائیست جاوید، سید محمد حسین شاہ، طٰہٰ یاسین ☆ **ڈیرہ غازی خان:** رفیق احمد ناز ☆ **راولپنڈی:** ہانیہ نور بٹ ☆ **ٹنڈوالہیار:** آمنہ آصف کھتری، تنزیلہ لغاری ☆ **اوکاڑہ کینٹ:** عروسہ تنزیل ☆ **کامرہ کینٹ:** معاذ حفیظ ☆ **کالا گجراں:** محمد افضل۔

۹ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ **کراچی:** یمنیٰ بنتِ صدیق اکبر، فاطمہ توقیر، رقیہ محمد عقیل شاہ، شاہ محمد از ہر عالم، آمنہ ظفر، ردا حمید، آمنہ خان، صالحہ کریم، سید یزدان جواد، سید صارم علی، اریبہ نصیر، محمد مصطفیٰ نور محمد فیصل، ایمن اکرام، معظّمہ حسن مصطفوی ☆ **پھلّ شہر:** نازیہ ابراہیم پھلّ ☆ **کوٹلی:** محمد جواد چغتائی ☆ **حیدر آباد:** محمد یوسف قریشی۔

۸ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ **کراچی:** محمد معیز انصاری، عبداللہ سفیان، فرحین تنویر احمد، سیدہ کلثوم فاطمہ، اویس لطیف ☆ **لاہور:** رامین سجاد، حفصہ سجاد، فضہ سجاد۔

۷ درست جوابات بھیجنے والے ذہین نونہال

☆ **کراچی:** عزیر اسلم، سیدہ ماہم، محمد بلال صدیقی، سویرا طاہر منہاس ☆ **میرپور خاص:** اسما خان ☆ **کوئٹہ:** ملائکہ غلام فرید ☆ **حیدر آباد:** عبدالحسیب۔

۶ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ **کراچی:** سیدہ مسکان ندیم علی، محمد بلال کاشف، آمنہ شیخ ☆ **لاہور:** حفصہ سجاد۔

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال مئی ۲۰۱۹ء میں عاصمہ فرحین صاحبہ کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کر کے **تین** اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو تین نونہالوں نے پاکستان کے مختلف شہروں سے بھیجے ہیں۔ تفصیل درجِ ذیل ہے:

۱۔ بادشاہ گر بلی : سیدہ سالکہ محبوب، کراچی

۲۔ چکی سے محل تک : فضہ سجاد، لاہور

۳۔ تڑ کے کی بلی : جنید احمد تحسین

﴿ چند اور اچھے اچھے عنوانات یہ ہیں ﴾

مہربان سوزی۔ کایا پلٹ گئی۔ خیر خواہ بلی۔ انوکھی وصیت۔ بلی کے کارنامے۔ تدبیر بنائے تقدیر۔ بلی بڑی سیانی۔ وفادار بلی۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں دل چسپ عنوانات بھیجے

☆ **کراچی:** صدف آسیہ، رباب فاطمہ، حافظہ عروبہ مرسلین، محمد مصطفیٰ، اریبہ نصیر، سیدہ تسبیح محفوظ علی، عبدالرحمٰن عارف، عائزہ خان، محمد وہاج الایمان، سیدہ کلثوم فاطمہ، سیدہ ناہید نرگس، طٰہٰ ندیم، سیدہ ماہم، محمد جنید راؤ سرفراز، راد بشیر، حفصہ طارق، علینا اختر، سیدہ زینب علی، سید یزدان جواد، ماہ نور خالد قریشی، وردہ محمد آصف، عروبہ امین، واینا جنید، محمد بلال کاشف،

اُسید الرحمٰن، ایمن شیخ، محمد احمد اسلم، خنسہ محمد عقیل شاہ، سویرا طاہر منہاس، شاہ بشریٰ عالم، ایمن ناز، محمد عباس شیخ، آمنہ شیخ، تہامی رضا توحید، انیقہ عبدالجبار، عائشہ عبدالواسع، اویس لطیف، حسان خالد، جویریہ سفیان، محمد اشبل عاصم خان، سید عفان علی جاوید، سیدہ جویریہ جاوید، سید شہظل علی اظہر، سید باذل علی اظہر، سیدہ مریم محبوب، عائشہ اشرف، سیدہ مسکان ندیم علی، فاطمہ توقیر، وردہ مصطفیٰ، شاکر اللہ، یمنیٰ بنتِ صدیق بکر، محمد معیز انصاری، سہیل احمد نیاز، عبیرہ صابر، عائشہ ضیا، کرن رانا، ناعمہ تحریم ☆**لاہور:** حفصہ سجاد، رامین سجاد، امتیاز علی ناز، حنا نعمت، ☆**ملتان:** محمد ابراہیم، محمد اُسید خالد ☆**میرپور خاص:** اسما خان، محمد حسان رضا سومرو ☆**حیدرآباد:** زرین بانو سلیم الدین، محمد یوسف قریشی، زینب رشید احمد خاں، عائشہ ایمن عبداللہ، مریم بنتِ کاشف ☆**پرانا سکھر:** محمد حسیب ☆**ڈیرہ غازی خان:** رفیق احمد ناز ☆**فیصل آباد:** عثمان عرفان ☆**پھلُ شہر:** گل ابراہیم پھلُ ☆**ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆**بھیرہ:** تفسیر حیدر تفسیر ☆**ٹنڈو الہیار:** آمنہ آصف کھتری ☆**راولپنڈی:** زہرا نور بٹ ☆**کوٹلی:** زرفشاں بابر ☆**کوئٹہ:** ملائکہ غلام فرید ☆**کامرہ کینٹ:** معوذ حفیظ ☆**کھڈیاں خاص:** فروا ظہیر ☆**مظفر گڑھ:** احمد خان لغاری ☆**کالا گجراں:** سیماں کوثر۔

ضروری اعلانات

کرکٹ ورلڈکپ کوئز کے کامیاب شرکاء کے نام ہمدرد نونہال اگست ۲۰۱۹ کے شمارے میں شائع کیے جائیں گے۔

••

’’فیس بک زندہ باد، فیس بک مردہ باد‘‘ کے موضوع پر لکھے جانے والے منتخبہ مضمون آئندہ ماہ کے شمارے میں شائع کیے جائیں گے۔ کرکٹ کے قومی کھلاڑیوں کے دستخط کے ساتھ کرکٹ بیٹ کا تحفہ بھی ۱۴ اگست تک بھجوا دیا جائے گا۔

نونہال لغت

سماع	س م ا ع	سننا۔ راگ گانا۔ قوالی۔
خستہ حال	خ س تہ حا ل	پریشان۔ خراب حال۔ رنجیدہ۔
نواح	ن و ا ح	اردگرد کا علاقہ۔ قرب وجوار۔ مضافات۔
مکین	م کی ن	مکان میں رہنے والا۔ مکان دار۔ صاحبِ خانہ۔
ہیبت	ہے ب ت	دہشت۔ رعب۔ ڈر۔ خوف۔
کفایت	ک فا ی ت	کافی ہونا۔ بچت۔ کمی۔ حسبِ ضرورت فائدہ حاصل کرنا۔
بیاباں	ب یا با ں	ویرانہ۔ اُجاڑ۔ ریگستان۔ جنگل۔
راگ	ر ا گ	نغمہ۔ ترانہ۔ لَے۔ سُر۔
طفیل	ط ف ے ل	وسیلہ۔ سبب۔ ذریعہ۔
تاثیر	تا ث ی ر	اثر۔ خاصیت۔ نتیجہ۔ پھل۔
ظرف	ظ ر ف	تہذیب۔ قابلیت۔ نفاست۔ خوبی۔ لیاقت۔
پالن	پا ل ن	پرورش۔ تربیت۔ تعلیم۔ دیکھ بھال۔ نگرانی۔
فصیل	ف ص ی ل	دیوار۔ چار دیواری۔ شہرِ پناہ۔
جتن	ج ت ن	کوشش۔ بندوبست۔ علاج۔ ڈھنگ۔
نسبت	ن س ب ت	کسی چیز کی طرف منسوب ہونا۔ لگاؤ۔ علاقہ۔ واسطہ۔ مشابہت۔ مطابقت۔ منگنی۔ نظیر۔ بابت۔
زوال	ز و ا ل	کمی۔ اُتار۔ گھاٹا۔ سورج کا نصف النہار کے بعد ڈھلنا۔ عروج کی ضد۔ مصیبت۔ کم بختی۔ نقصان۔